ماہنامہ نقوش راہ

April 20

نقوش راہ دکھاتے چلو زمانے کو
قدم قدم پہ مسافر پریشاں بیٹھے ہیں

قیدی اپنی اہلیہ سے مخاطب ہے

عدلیہ کا پیلٹ گن پر پابندی سے انکار، کشمیر میں مایوسی!

مسلمان دہشت گرد نہیں، ہم امریکی دہشت گرد ہیں

کلام نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ أَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهﷺ فَقَالَ: " يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ خَمْسٌ إِذَا ابْتُلِيتُمْ بِهِنَّ وَأَعُوذُ بِاللهِ أَنْ تُدْرِكُوهُنَّ لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ حَتَّى يُعْلِنُوا بِهَا إِلاَّ فَشَا فِيهِمُ الطَّاعُونُ وَالأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلاَفِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا. وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلاَّ أُخِذُوا بِالسِّنِينَ وَشِدَّةِ الْمَؤُنَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ. وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ إِلاَّ مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ وَلَوْلاَ الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا وَلَمْ يَنْقُضُوا عَهْدَ اللهِ وَعَهْدَ رَسُولِهِ إِلاَّ سَلَّطَ اللهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ فَأَخَذُوا بَعْضَ مَا فِي أَيْدِيهِمْ. وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللهِ وَيَتَخَيَّرُوا مِمَّا أَنْزَلَ اللهُ إِلاَّ جَعَلَ اللهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ "

(باب العقوبات، کتاب الفتن، سنن ابن ماجه)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "مہاجرو! پانچ (آزمائشیں) ہیں جن میں تم مبتلا ہو گے اور میں اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان کو پاؤ: (۱) جب کسی قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے اور وہ اعلانیہ اس کا ارتکاب کرتے ہیں تو ان میں طاعون اور مختلف بیماریاں، جو ان کے اسلاف میں نہیں تھیں، پھیل جاتی ہیں۔ (۲) جب لوگ ماپ تول میں کمی کرتے ہیں تو انہیں قحط سالیاں، سخت تکلیفیں اور بادشاہوں کے ظلم دبوچ لیتے ہیں۔ (۳) جب لوگ زکوٰۃ ادا کرنے سے رُک جاتے ہیں تو آسمان سے بارش کا نزول بند ہو جاتا ہے اور اگر چوپائے نہ ہوتے تو ان پر بارش نازل نہ ہوتی۔ (۴) جب یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد و پیمان کو توڑتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمنوں، جن کا تعلق ان کے غیروں سے ہوتا ہے، کو مسلط کر دیتا ہے، جو ان سے ان کے بعض اموال چھین لیتے ہیں اور (۵) جب مسلمانوں کے حکمران اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے اور اس کے نازل کردہ قوانین کو ترجیح نہیں دیتے تو اللہ تعالیٰ ان کو آپس میں لڑا دیتا ہے۔"

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ (القرآن)

ماہنامہ

نقوش راہ

اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF) کا ترجمان

جلد:03 شمارہ:2

اپریل/2020، رجب المرجب/شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ

فہرست مضامین

اداریہ	ڈاکٹر محمد وجیہ القمر	04
درسِ قرآن: قصۂ بنی اسرائیل	ابن مظفر	05
تحریکی فہم وشعور سے انحراف	مصطفیٰ مشہورؒ	08
مسلمان دہشت گرد نہیں، ہم امریکی دہشت گرد ہیں	محمد ندیم اعوان	12
کرونا وائرس: حیاتیاتی جنگ کا ایک نیا ٹریلر	طالب جلال	15
کرونا وائرس اور معاشی ایمرجنسی کا خطرہ	سراج الدین فلاحی	20
عدلیہ کا پیلٹ گن پر پابندی سے انکار، کشمیر میں مایوسی!	غازی سہیل خان	22
'NPR-2010' کے سوالات سے NRC....	شعیب دانیال	24
گوشۂ خواتین: قیدی اپنی اہلیہ سے مخاطب ہے	خرم مرادؒ	28
گوشۂ اطفال: لیڈر	ابوالفیض	33
ثقافت کی تلاش	نسیم حجازی	31
اقبالیات: خضر راہ	ابن سلطان	36
یوم باب الاسلام	ڈاکٹر انیس احمد	37
دہلی فسادات۔۔۔(گراؤنڈ رپورٹ)	ابوالفیض، عبدالواحد باحسن	40

چیف ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد وجیہ القمر

ایڈیٹر

منہاج الاسلام فلاحی

معاون ایڈیٹر

جاوید مومن

مجلس ادارت

- ڈاکٹر محمد مبشر
- محمد جمیل
- معاذ احمد جاوید
- سید ریحان
- اُسامہ عظیم فلاحی
- عمار احسن ندوی

سرکولیشن منیجر

شیخ عمران

زرتعاون

فی شمارہ:-/20

سالانہ:-/220

Current A/c Name : Nukush E Rah
A/c No.: 9650 2011 0000 482
Bank of India - Akola Branch
IFSC : BKID0009650

Printer, Publisher and Owned by Shaikh Nisar Shaikh Chand Printerd at Super Printing Press, Telipur Chowk, Akola, Published at 1st Floor, Opposite Basera Aprartment, Subhash Chowk, Akola.-444001
Editor: Shaikh Nisar Shaikh Chand

زندگی و عیاشی کے انتہائی حریص اور بیماری و موت سے انتہائی خوف کھانے والے یہود و مشرکین نے آج پوری دنیا بہ شمول ملت اسلامیہ کو بھی اپنی طرح بنا ڈالا ہے۔ اور ایسا ہو بھی کیوں نہیں؟!! ہمارے آقا محمد ﷺ نے تو اس زمانے کے بارے میں بتا دیا تھا کہ ہمارے دلوں میں 'دنیا کی محبت' اور 'موت سے نفرت' پیدا ہو جائے گی۔ دین حنیف میں بیماری تو مومن کے گناہ کو جھاڑتی اور اس کے درجات کو بلند کرتی ہے اور وبائی بیماری میں مومن کی موت تو 'شہادت' ہے۔ اس کے باوجود ماذیت اور دنیا کے پجاریوں کے سامنے یہ امت بالخصوص قیادت سجدہ کرتے ہوئے دِکھ رہی ہے جب کہ اس کے قائدین کو قرآن، سنت، اجماع، قیاس اور اپنی درخشاں تاریخ کی روشنی میں پوری دنیا کو اس خوف سے نکال کر صحیح رہ نمائی اور روشنی فراہم کرنی چاہئے تھی اور 'کرونا' کو ملک الموت اور اس کے مریض و میّت کو اچھوت سمجھنے کے بجائے اس کو محض ایک مہلک بیماری اور اس کے مریض و میت کو قابل عیادت و عزت سمجھنا و سمجھانا چاہئے تھا۔ کوئی بیماری اتنی متعدی نہیں ہوتی کہ وہ Touch میں آنے والے ہر فرد کو متاثر کر ہی دے اور ہلاک بھی کر دے ورنہ مثال کے طور پر مرکز تبلیغی جماعت کے کچھ ہی لوگ Positive کیوں نکلے؟ ہر ایک کو Positive ہونا چاہئے تھا۔ پھر جو Positive ملے وہ سب کے سب 'شہید' ہو گئے یا ابھی زندہ ہیں؟

حلال و حرام کی تمیز نہ کرنے اور اجنبی مرد و عورت کے آزادانہ و ناپاک میل جول کو 'آزادی و بنیادی حق' کا بانگ دہل نعرہ لگا لگا کر پوری دنیا میں مختلف مہلک بیماریوں کو لانچ کرنے والوں نے آج 'Social Distancing' اور 'Lockdown' (جو اصلا 'Shutdown' ہے) کے نام پر پوری دنیا کو ایک نئے عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے اور جائز ہی نہیں بلکہ فرض، مقدس اور ضروری ملاقات و اجتماعات، بہ شمول نمازِ جمعہ و پنج گانہ، پر بھی پابندی لگا رکھی ہے۔

Islamophobia کے اہم ترین مرکز بھارت کے مرکزی وزراء بہ شمول وزیر اعظم نے Covid-19 سے یہاں کے شہریوں کو بچانے میں جو کچھ اور جتنی لاپرواہی و بے احتیاطی - جان بوجھ کر یا انجانے میں - کی ہے اور کر رہے ہیں، اس کے لئے وہ مقدمات کے مستحق ہیں۔ نیوز پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اِن وزراء نے اپنی سنگین غلطیوں اور ان کی وجہ سے عام شہریوں پر (بالخصوص جانی و مالی لحاظ سے) پڑنے والی مار کو چھپانے کے لئے انتہائی غلط انداز سے 'Complete Shutdown' نافذ کر دیا جب کہ صرف یہی اس کا حل ہرگز نہیں تھا۔ 'کرونا' کا پہلا مریض 30 جنوری کو کیرلہ میں پایا گیا، 10 مارچ کو کرناٹک میں اس مرض کی وجہ سے پہلی موت ہوئی، 23 مارچ تک بین الاقوامی طیارے وَبازدہ ممالک سے بھارت میں اُترتے رہے اور 18 جنوری تا 23 مارچ تقریباً 15 لاکھ لوگ بہ شمول Foreigners بیرون ملک سے بھارت میں داخل ہوئے، 24 مارچ تک قومی پرواز وبازدہ صوبوں وضلعوں سے آتی جاتی رہیں۔۔۔ یوں تقریباً پورے ملک میں الگ الگ انداز سے اس مرض کو پھیلا دیا گیا۔ 23 مارچ کو یہاں اس مرض میں کل 468 افراد مبتلا ہو چکے تھے۔۔۔ تب تک کوئی مناسب اقدام نہیں کیا گیا اور اچانک شٹ ڈاؤن کر کے اس کی وجہ سے ہونے والے گمبھیر مسائل سے اپنے کو بچانے کے لئے اپریل میں 'کرونا' کو 'مسلمان' بنا کر تبلیغی جماعت کو موردِ الزام ٹھہرا دیا گیا اور اس سے پہلے نمازیوں پر لاٹھیاں بھی چلائی گئیں۔ ملک میں 'کرونا' کے بہانے اور بھی دیگر ناپاک مقاصد حاصل کئے گئے اور کئے جا رہے ہیں۔

اس وباء عام کے موقع سے مسلمانانِ ہند کو مادیت و مادہ پرستی کے خلاف اور ایمان و اخلاقیات کے حق میں مومنانہ کردار ادا کرنا چاہئے تھا لیکن شاید وہ خود دجل و دجالیت کے شکار ہو گئے۔ شروعات تو اس کی حرمین شریفین کے (خدام نہیں بلکہ) مخدومین نے کی لیکن علماءِ ہند 'تقلیدِ جامد' میں کب پیچھے رہنے والے تھے۔ چناں چہ یہاں بھی مساجد مقفل کر دی گئیں، جمعہ معطل کر دی گئی، 'صَلُّوا فِي بُيُوتِكُم' کی نداء عام لگانے والے مفتیان اور بھارتی دانش وران کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہونے لگا اور روزانہ ہوتا جا رہا ہے۔ کرونا وائرس اور اس سے ہونے والی بیماری کے سلسلے میں 'روشن خیال' سائنس تو روزانہ بدل رہی ہے لیکن یہ 'سائنس' Fix ہے کہ 'مسجد' میں باجماعت نماز پڑھنے سے یہ وائرس مزید پھیلتا ہے یا پھیلے گا۔ رام للا کو شفٹ کرنے، آنند وہار بس اڈہ پر لاکھوں کی بھیڑ اکٹھا ہونے، تالی و تھالی پیٹنے کا جلوس نکالنے اور رام نومی کی بھیڑ سے یہ بیماری نہیں پھیلی اور نہ پھیل رہی ہے۔ اسی طرح میڈیا ہاؤس، ہاسپٹل، بازار، فارمیسی، تھانہ، فوجی اڈہ، پارلیمنٹ، وہائٹ ہاؤس وغیرہ میں جانے سے یہ وائرس نہیں پھیلتا۔۔۔ یہ ایک عملی حقیقت ہے، جس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ لوگ کہتے ہیں ان مقامات پہ جانا مجبوری ہے۔ کوئی انہیں یہ سمجھائے کہ اسلام، ایمان اور مسلمان کا تصور 'جماعت' اور 'اجتماعیت' کے بغیر ہے ہی نہیں۔ اور نماز تو ایک ایسی اجتماعی عبادت ہے، جو 'مجبوری' سے بہت اوپر اٹھ کر 'فرض۔۔۔ فرض۔۔۔ اور بس فرض' ہے، جسے میدان جنگ اور زمانۂ طاعون میں بھی رسول ﷺ و اصحابِ رسولؓ نے باجماعت ہی ادا کیا ہے۔ نماز سے پہلے ہر ہر نمازی اس طرح اپنے ہاتھ، منہ، ناک، چہرہ اور پیر کو غسل دیتا (رگڑ کر دُھلتا) ہے کہ ہاتھ اور منہ میں 'کرونا' ہی نہیں بلکہ دوسرے مہلک وائرس کے ہونے کا شبہہ بھی تقریباً ختم ہو جاتا ہے۔ سائنس کہتی ہے 20 منٹ ہاتھ دھلنا چاہئے، وضو میں تو ایک مومن اوسطاً 1 منٹ تک اپنے ہاتھ دُھلتا رہتا ہے؛ منہ، ناک، چہرہ اور پیر سب اسی ہاتھ سے دھلتا ہے۔

ہماری شدید خواہش اور مطالبہ صرف اتنا ہے کہ احتیاط کے نام پر غریبوں کی جان نہ لی جائے اور فرض بالخصوص مسجد میں نمازِ باجماعت سے نہ روکا جائے۔ کم از کم صحت مندوں کو مسجد میں 'باجماعت نماز' پڑھنے دیا جائے اور ضرورت ہو تو سائنسی تحقیق بھی کی جائے کہ اچھی طرح وضو کرنے کے بعد وائرس وضو کرنے والے کے اندر ملتا بھی ہے یا نہیں۔ اللہ ہم سب کو دجال و دجالیت کے اس دور میں ایمان کے ہتھیار سے لیس ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

قصہ بنی اسرائیل

ابن مظفر فلاحی

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

اَفَتَطْمَعُوْنَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (75) وَإِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قَالُوْا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ قَالُوْا أَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (76) اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ أَنَّ اللهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (77) وَمِنْهُمْ أُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّوْنَ (78) فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ لِيَشْتَرُوْا بِهِ ثَمَناً قَلِيْلاً فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ (79) وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّاماً مَّعْدُوْدَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللهِ عَهْداً فَلَنْ يُّخْلِفَ اللهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (80) بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيْئَتُهُ فَأُوْلَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ (81) وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ (82)

ترجمہ: اے مسلمانو! اب کیا ان لوگوں سے تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ تمہاری دعوت پر ایمان لے آئیں گے؟ حالاں کہ ان میں سے ایک گروہ کا شیوہ یہ رہا ہے کہ اللہ کا کلام سُنا اور پھر خوب سمجھ بُوجھ کر دانستہ اس میں تحریف کی۔ (محمدؐ رسول اللہ پر) ایمان لانے والوں سے جب یہ ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی انہیں مانتے ہیں، اور جب آپس میں ایک دوسرے سے تخلیے کی بات چیت ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ بے وقوف ہو گئے ہو؟ ان لوگوں کو وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں تاکہ تمہارے رب کے پاس تمہارے مقابلے میں انہیں حجت میں پیش کریں؟ ____ اور کیا یہ جانتے نہیں کہ جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، اللہ کو سب باتوں کی خبر ہے؟ ____ ان میں ایک دُوسرا گروہ اُمّیوں کا ہے، جو کتاب کا تو علم رکھتے نہیں، بس اپنی بے بنیاد امیدوں اور آرزوؤں کو لیے بیٹھے ہیں اور محض وہم و گمان پر چلے جا رہے ہیں۔ پس ہلاکت اور تباہی ہے اُن لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں، پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے تاکہ اس کے معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کر لیں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا بھی ان کے لیے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی بھی ان کے لیے موجب ہلاکت۔ وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز چھُونے والی نہیں اِلّا یہ کہ چند روز کی سزا مِل جائے تو مِل جائے۔ اِن سے پوچھو، کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے، جس کی خلاف ورزی وہ نہیں کر سکتا؟ یا بات یہ ہے کہ تم اللہ کے ذمے ڈال کر ایسی باتیں کہہ دیتے ہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ اُس نے ان کا ذمہ لیا ہے؟ آخر تمہیں دوزخ کی آگ کیوں نہ چھُوئے گی؟ جو بھی بدی کمائے گا اور اپنی خطاکاری کے چکّر میں پڑا رہے گا، وہ دوزخی ہے اور دوزخ ہی میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے وہی جنتی ہیں اور وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

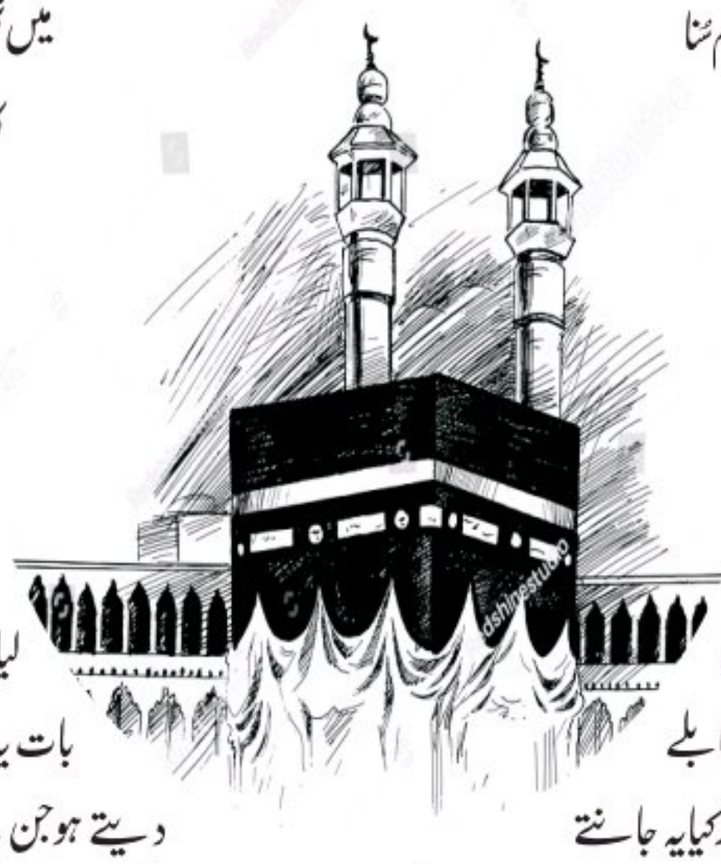

الفاظ ومعانی:

حرفٌ=کسی چیز کا کنارہ، سرا،حد۔ حَرَف الشئی عن وجھه:کسی چیز کو اس کے صحیح رُخ سے پھیر دینا،بدل دینا۔

انحراف = ایک کنارے کی طرف جھک جانا، ٹیڑھا ہوجانا (تاج)۔تحریف کے معنی اس طرح کی توجیہ وتاویل کرنا جس سے اس کی وہ روح ختم ہوجائے جو دراصل اس کا رأس المال ہے۔خواہ یہ لفظ کے ردّوبدل سے ہو یا مفہوم کی تبدیلی سے۔اہل کتاب دونوں طرح کی تحریف کا ارتکاب کرتے تھے۔

لفظی تحریف = یحرفون الکلم عن مواضعه۔معنوی تحریف= یکتبون الکتاب بایدھم ثم یقولون ھذامن عنداللہ۔

الاُمی = ایسا شخص جو اپنی پیدائشی حالت پہ ہو اور لکھنا پڑھنا نہ سیکھے (لطائف اللغہ)

اَمانی= (م ن ی) مَنّاہ، یمنیہ، مَنْیاً یعنی اس کا اندازہ کیا۔ المانی=اندازہ کرنے والا۔

اُمنِیةٌ ج اَمَانی = خواہش ، آرزو،ارادہ (تاج وراغب) نیز اس کے معنی جھوٹ اور کذب کے بھی ہیں۔

اَمَانی=وہ باتیں جن کی تمنا کی جائے اور اکاذیب دونوں معنی ہیں (تاج،راغب)

توضیح آیات:

☆مسلمانوں کی خواہش رہتی تھی کہ اہل کتاب ایمان لے آتے، کیوں کہ کفار کے بالمقابل وہ زیادہ مسلمانوں سے قریب تھے۔توحید، رسالت، تصورِ آخرت، ملائکہ وتقدیر کے عقیدے کو سمجھتے تھے۔صرف رسالت محمدیؐ کا اقرار کرنا تھا جن کے وہ خود بھی منتظر تھے۔لہذا ان سے اس بات کی توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ مسلمانوں کا ساتھ دیں گے لیکن ان کی ہٹ دھرمی اور ضد نے انہیں مزید مسلمانوں کا دشمن بنادیا تھا۔ ان کے اندر ایسے عیوب پیدا ہوگئے تھے جن کے سبب اب یہ امید نا رہی تھی کہ وہ ایمان لائیں گے۔

☆ان میں ایک جماعت ایسی تھی جس نے کافی سوچ سمجھ کر عیاری ومکاری سے اپنی کتاب توریت وانجیل کو تبدیل کردیا؛کہیں اس کے الفاظ کو تو کہیں اس کے مفاہیم کو۔

☆اہل کتاب کے اس گروہ کا یہ حال تھا کہ جب وہ مسلمانوں سے ملتے تو ایمان لانے کا دعویٰ کرتے لیکن جب آپس کی نشستوں میں ملتے تو کہتے تھے کہ مسلمانوں کے سامنے ان باتوں کو ظاہر نہ کرنا جو ہماری کتابوں میں موجود تھیں۔مثلاً آپؐ کی بعثت کی پیشین گوئی، زنا کے حدود وغیرہ۔

☆اہل کتاب کی یہ جماعت جس کا یہاں ذکر ہے وہ یقیناً ان کے علماء واہلیان کا طبقہ رہا ہوگا، جو اصل دین سے خوب اچھی طرح وقف تھا۔لیکن نفس پرستی ، مادہ پرستی، ضد وہٹ دھرمی کے سبب انہوں نے اپنی کتاب میں تحریف کر رکھی تھی۔اب انہیں یہ بات ستا رہی تھی کہ کہیں ان کی اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکل آئے جو خود ان کے خلاف دلیل بن جائے۔مثلاً قرآن کے کسی حکم کو دیکھ کر وہ بے ساختہ یہ نا کہہ دیں کہ یہ حکم تو میری کتاب میں بھی ہو بہو تھا۔وغیرہ وغیرہ۔

☆ان کی مادہ پرستی ونفس پرستی نے انہیں ایک عجیب وغریب منطق سکھادی یا بالفاظِ دیگر نفس پرستی ومادہ پرستی ان کی نفسیات کو اس سطح پر لے آئی کہ وہ آپس میں یہ کہنے لگے کہ اگر آپؐ کے سامنے کوئی ایسی بات زبان سے نکل آئی تو وہ کل خدا کے نزدیک ہمارے خلاف حجت بن جائے گی کہ ہم جان بوجھ کر رسول خداؐ کی مخالفت کررہے تھے۔وہ اصلاً یہ ثابت کرنا چاہ رہے تھے کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں یا کررہے ہیں ہماری آسمانی کتاب میں تو ایسا ہی تھا۔ہماری کتاب مُحرّف نہیں۔

☆ان کی اس احمقانہ دلیل وتاویل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا گیا کہ وہ عقل سے اندھے ہوگئے ہیں۔یہ کیسی بھونڈی وسطحی دلیل واحتیاط ہے؟ کیا وہ اپنے جرائم کا آپؐ اور مسلمانوں سے اقرار نا کر کے خدا سے بھی اپنے جرائم چھپالیں گے؟ خدا تو ظاہر وباطن ہر چیز سے باخبر ہے۔

☆ہمارے دور میں بھی علماء وقائدین کا یہ رویہ دیکھنے کو ملتا ہے۔قرآن واحادیث کے اکثر حصے کو عوام کے سامنے نہیں آنے دینا چاہتے۔لوگ براہ راست قرآن وحدیث سے استفادہ کرکے ان کے جرائم نا سمجھ لیں، اس کی خاطر انہوں نے بھی اپنے ہاتھوں کی تصنیف وتالیف کو کتاب وفقہ و احادیث رسول کا درجہ دے رکھا ہے۔ان کی نفسیات بھی علماء بنی اسرائیل کی نفسیات کی طرح ہوگئی ہے۔

☆بنی اسرائیل میں ایسے افراد کی کثرت ہوگئی تھی جو جاہل تھے، پیدائشی طور پر جو دین مل گیا تھا بس اسے ہی ڈھو رہے تھے۔ان کے درمیان کچھ مذہبی روایات واعمال باقی رہ گئے تھے جنہیں ادا کرلینے کو ہی وہ دین سمجھتے تھے۔کتاب کا علم نہیں

بچا تھا وہ صرف خواہشات، آرزو باتیں اور گمان کی پیروی کیے جارہے تھے۔ انہیں احوال کا مشاہدہ آج ہم اپنے معاشرے میں کررہے ہیں۔

☆ بنی اسرائیل کا یہ گروہ اپنی تالیف وتصنیف کو آسمانی کتاب کا درجہ دیتا تھا۔ وہ اپنی کتابوں کو اس طور پر پیش کرتا تھا کہ گویا وہ آسمانی کتاب کے مساوی ہوں۔ اس طرح وہ ان کے ذریعہ مادی فائدے حاصل کرتے۔ انہیں بیچتے اور اپنے گرد جاہل معتقدوں کے حلقے سے دولت حاصل کرتے۔

☆ قرآن نے ان کے اس طرح سے کمائی کرنے کو ان کے لیے ہلاکت کا ذریعہ بتایا ہے۔

☆ احکام الٰہی میں لفظی یا معنوی تحریف کرنا ایک بہت ہی بڑا سنگین جرم ہے چناں چہ انتہا درجے کا بے شرم، ڈھیٹ اور سرکش فرد ہی ایسا کرنے کی ہمت کرسکتا ہے۔

☆ ان آیات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل میں باضابطہ ایک گروہ تھا جو یہ کام بلا جھجھک انجام دیتا تھا اور معاشرہ اتنا جاہل و بے عقل تھا کہ ان مذہبی غنڈوں سے عقیدت، لالچ یا خوف کے سبب ان کی اطاعت کو ہی دین سمجھتا تھا۔ اس طرح یہ گروہ خود بھی گم راہ تھا اور گم راہی پھیلانے کا سبب بھی بن رہا تھا۔

☆ ان کے اس قدر بے خوف و بے شرم ہوجانے کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان کے دل سے آخرت کا خوف نکل گیا تھا۔ وہ کہتے کہ ہمیں صرف چند دنوں کا عذاب ہی دیا جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اتنے سنگین جرائم کے باوجود بھی وہ اس زعم میں ہیں کہ انہیں صرف چند دنوں کا عذاب ہوگا۔ کیا کوئی عہد و پیمان ہوا ہے کہ وہ کچھ بھی کرتے رہیں اور خدا انہیں چند دنوں کا ہی عذاب دے۔ یہ جرائم تو اتنے سنگین ہیں کہ ان کا وہ عہد بھی ٹوٹ چکا ہے جو انہوں نے ایمان لا کر خدا سے کیا تھا۔ خدا کی آیات میں تحریف کرکے اب بھی خدا کی عنایات و بخشش کی امید رکھتے ہیں۔ کتنے احمق ہیں یہ؟!!

☆ وہ جس جرم کا ارتکاب کررہے ہیں وہ اتنا سنگین ہے کہ وہ اہل ایمان کے زمرے سے بھی خارج ہوچکے ہیں۔ خواہ دنیا انہیں اہل ایمان اور اپنا پیشوا سمجھتی رہے۔ لہذا ب وہ ہمیشہ ہمیش کی آگ میں جلیں گے۔ خدا کے نزدیک وہ مومنین کے زمرے سے نکل چکے ہیں۔

☆ جنت تو مومنین کے لیے ہے اور جنت میں صرف مومنین ہی جائیں گے۔ کبائر کے مرتکب وعادی مومنین اپنی سزا کاٹ کر جنت میں داخل ہونگے۔

(بقیہ صفحہ 42)

فیڈریشن کے منشور میں یہ بھی تھا کہ اگر اس کے بعد بھی ایسے لوگ بچتے ہیں جنہیں ایک لمبے وقت تک سہارے کی ضرورت ہے تو ہم صاحب خیر حضرات سے مل کر ان کا تعاون کرنے کی اپیل کریں گے۔

☆ فیڈریشن کے ذریعہ اب تک تقریباً 30 خاندانوں کی مختلف شکل میں مدد کی جا چکی ہے اور بقدر استطاعت وضرورت ان کا تعاون آگے بھی جاری رہے گا، ان شاء اللہ۔

☆ 12 خاندان کو اپنا کاروبار دوبارہ شروع کرنے کے لیے سامان دلایا گیا۔

☆ 10 لوگوں کی طبی امداد کی گئی۔ ان میں سے 6 لوگوں کو ان کی ضروریات کے لحاظ سے نقد رقم بھی دی گئی۔

☆ 5 خاندان کو کرایہ دے کر کرایہ کے مکان میں منتقل کیا گیا۔

دہلی فسادات

☆ ان ہی میں سے سے 20 خاندان تک راشن پہنچایا گیا۔

☆ 3 خاندان کو قرآن شریف، جائے نماز اور کچھ دینی کتابیں دی گئیں۔ ایسے 30 کٹ بنائے جا چکے تھے لیکن لاک ڈاؤن کی وجہ سے بقیہ لوگوں کو نہیں دیا جاسکا۔ ان شاء اللہ بقیہ لوگوں کو بھی پہنچا دیا جائے گا۔

ان سب کاموں میں فیڈریشن کی ٹیم کے ساتھ ان لوگوں کا تعاون بھی شامل تھا جو مقامی سطح پر ریلیف کا کام کررہے تھے یا باہر سے آکر لوگوں کی مدد کرنا چاہ رہے تھے۔

آئندہ کرنے کے کام:

☆ جو لوگ غیر مسلموں کے علاقوں میں آباد ہیں اور اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھ رہے ہیں، انہیں مسلم اکثریتی علاقوں میں لاکر آباد کرانا۔

☆ بقیہ بے روزگاروں کو روزگار دلانا تاکہ ان کے خورد ونوش اور بچوں کی تعلیم کا مسئلہ حل ہوسکے۔

☆ جو لوگ معذور ہوگئے ہیں، کچھ یا کئی ماہ کوئی کام کاج نہیں کرسکتے، ان کی پوری کفالت اور بچوں کی تعلیم کا تب تک بندوبست کرنا جب تک کہ وہ کام کاج کے لائق نہ ہوجائیں۔

☆ جن طلبہ وطالبات کی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے یا جو آگے کی تعلیم جاری رکھنا چاہتے ہیں، ان کے داخلے اور تعلیمی مصارف کا انتظام کرنا۔

☆ لاک ڈاؤن کی وجہ سے متاثرین کے راشن، کرایہ اور دیگر مصارف کے مسائل اور زیادہ بڑھتے جارہے ہیں اور مزید بڑھیں گے لہذا ان سب کا مناسب انتظام کرنا۔

☆☆☆

تحریکی فہم وشعور سے انحراف

مصطفیٰ مشہورؒ

۷۔ دیگر مخالف نظریات کا علم بردار بننا:

ہماری دعوت اصلاً ایک خدائی دعوت ہے اور وہ اس اسلام کی طرف دعوت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بحیثیت نظامِ حیات پسند فرمایا ہے اور ہم اسلام کی علم برداری کو اپنے لیے عزت وشرف سمجھتے ہیں اور اسی کی علم برداری میں ہماری سربلندی کا راز بھی پنہاں ہے۔

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ (حم السجدہ ۳۳)

(اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو (لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے اور (خود بھی) نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں)

اس لیے اس کے بعد ہمارے لیے جائز نہیں ہے کہ ہم اپنے سر پر اشتراکیت اور قومیت کا جھنڈا رکھیں مثلاً اشتراکیت سے اتحاد یا کسی سیکولر پارٹی سے اتحاد، چاہے اس کے اسباب وعوامل کچھ بھی ہوں۔ اور اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو ہمارا یہ عمل خود ہماری شخصیت سے بھی اور اسلام سے بھی متصادم ہے، جس کی طرف ہم دعوت دے رہے ہیں۔ اس لیے کہ اسلام ان سارے خود ساختہ نظام ہائے حیات کی بیخ کنی کرتا ہے اور ان سے برسر جنگ ہے۔ ہم اس اسلام کو تمام روئے زمین پر نافذ کرنا چاہتے ہیں اور اس کے ماسوا نظریات پر اسے غالب کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم اسلام مخالف اشتراکیت سے اتحاد کرلیں گے تو پھر ہم اس کے خلاف آواز کیوں کر اٹھا سکیں گے؟

ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہر اسلامی ملک کی حکم راں جماعت اپنی حکومت کے سلبی اقدامات کی ذمے دار ہوگی اور یہ ہمارے اسلامی ممالک کثرت سے ہو رہا ہے۔ صرف حاکم ہی نہیں بلکہ جو لوگ بھی اس جماعت سے وابستہ ہوں گے، وہ سب کے سب خواہی نہ خواہی ان سلبی اقدامات کے جواب دہ ہوں گے جو حکومت کی طرف سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ اور ان ہی سلبی اقدامات کا نتیجہ ہے کہ اب ان کو عوام کا اعتماد حاصل نہیں رہا ہے۔ اس طرح ان وضعی اور خود ساختہ نظریہ ہائے حیات سے وابستگی کے نتیجے میں جو عمومی فضا بنتی ہے، وہ مسلم فرد کی تیاری اور اسلامی تربیت کے لیے کبھی سازگار نہیں ہوسکتی جس کے لیے ہم مسلمان بھائیوں کو بلاتے ہیں اور جو ہمارے لیے سب سے اہم اور ضروری کام ہے۔ پھر اس وابستگی کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری دعوت پر بھی دوسری سیاسی پارٹیوں کا ساماحول طاری ہوجاتا ہے اور انتہائی جلد اور آسان طریقے سے حکومت حاصل کرنا مقصد بن جاتا ہے۔ اور پھر نہ تو افراد کی پختہ تعمیر ہی ہوپاتی ہے اور نہ ان کی فکر ہی سلامت رہتی ہے۔

۸۔ جماعت کو دوسروں کے کنٹرول میں دے دینا:

اصلاً اسلامی جماعت کا اپنا ایک نمایاں اسلامی تشخص ہونا چاہیے اور اس کا یہ تشخص اس کے شعور، اس کے اغراض ومقاصد، اس کے طریقۂ کار اور قرار دادوں غرض یہ کہ ہر چیز میں نمایاں ہو اور جماعت کسی ایسے خارجی دباؤ، اقتدار یا حکومت کے تابع نہ ہو جو اس پر اثر انداز ہو کر اس کو اس کے راستے سے پھیر دے یا جماعت پر دباؤ ڈال کر اس کو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کرے۔ اور اگر جماعت یا اس کی کوئی شاخ مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی صورت سے دوچار ہوجائے تو یہ دراصل اس کی اصل حیثیت سے انحراف ہوگا۔ بسا اوقات اس طرح کی کوششوں کے لیے یہ سبز باغ دکھایا جاتا ہے کہ ان سے جماعت کو بہت سے مادی ومعنوی فائدے حاصل ہوں گے اور یہ دعوت اور اس کے مقصد کے لیے ممد ومعاون ہوں گی۔ اور کبھی کبھی جماعت کو اس کے صحیح راستے سے موڑنے کے لیے یا اس پر قابو پانے کے لیے طرح طرح کا دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ اس لیے ان سے ہوشیار رہنا بہت ضروری ہے اور ہم کو صرف اللہ تعالیٰ کی بے

نیازِ ہستی سے ہر طرح کی مدد طلب کرنا چاہیے۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہمارے ان اغراض ومقاصد کا ستیاناس ہو جائے گا جن کے لیے ہم کام کر رہے رہیں اور جان ومال اور قیمتی اوقات کی قربانی دے رہے ہیں۔ اس موقع پر حسن البناؒ کا یہ قول نقل کرنا مناسب ہوگا جس کا مفہوم بھی وہی ہے جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے: ''وہ شخص انتہائی غلطی پر ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ اخوان المسلمون اپنے کسی دور میں کسی حکومت کی آلۂ کار رہی ہے یا اپنے مقاصد کو چھوڑ کر کسی اور مقصد کو پورا کرنے والی رہی ہے یا اپنے اصولوں کو چھوڑ کر دوسروں کے اصولوں پر عمل پیرا رہی ہے۔ جو یہ نہ جانتا ہو اسے جان لینا چاہیے خواہ وہ اخوان المسلمون کے اندر ہو یا باہر۔''

۹۔ کسی ایسی حکومت میں شرکت جو احکامِ الٰہی کے مطابق فیصلے نہ کرتی ہو:

ہماری کوشش اصلاً یہ ہے کہ ہر معاملے میں فیصلہ احکامِ الٰہیٰ کے مطابق ہو اور ہم کسی ایسے فیصلے کو قبول نہ کریں جو ان وضعی قوانین کے تحت کیے گئے ہوں جو اپنے بیشتر اجزاء میں شریعتِ الٰہی کے مخالف ہوں۔ اس لیے کسی ایسی حکومت میں اخوان المسلمون کے افراد کی شرکت ناقابل قبول ہوگی اور خاص طور پر اس صورت میں جب ان کے پاس ایسی قوت تاثیر نہ ہو جس کے ذریعہ سے وہ اُس غیر اسلامی حکومت کو ایسی اسلامی حکومت میں تبدیل کر سکیں جو شریعتِ اسلامی کے مطابق فیصلے کرے اور نتیجتاً وہ بھی اُن حکام کے ساتھ گناہ میں برابر کے شریک ہوں گے جو احکامِ الٰہیٰ کے مطابق فیصلے نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی بہت سے چیزوں کو مباح قرار دیتے ہیں۔ گویا کہ ہم اپنے قول وعمل میں ایک تضاد کے ذریعے سے اپنوں اور غیروں کو بھی دھوکا دیں گے اور اس طرح کا اقدام اصول سے انحراف تصور کیا جائے گا۔ بسا اوقات اس اقدام کے نتیجے میں جماعتی صف کے اندر اختلاف وانتشار پیدا ہو جاتا ہے اور جماعت اس بنیاد پر مؤیدین اور مخالفین میں بٹ جاتی ہے۔

کبھی کبھی ایسے حالات پیدا ہو سکتے ہیں جب کسی حکومت میں ایک گروہ کی شرکت گہرے سیاسی و قانونی جائزے کے بعد جماعت کے نزدیک وجہِ ترجیح بن جائے اور خاص طور پر اس وقت جب اس میں شرکت ہی کو ایک مکمل اسلامی حکومت میں تبدیل کرنے کے لیے مطلوبہ اقدام ہو۔ اس لیے اگر اس مقصد کی تکمیل کے لیے بھرپور ضمانت موجود ہو اور اس سلسلے میں واضح طور پر اتفاق ہو گیا ہو تو اس شرط پر شرکت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اس معاملے کو افراد کے اجتہاد پر نہیں چھوڑا جائے گا اور دوسری طرف جب بھی ذرہ برابر نقضِ عہد کا اظہار ہوگا یا نیت بدل جائے گی تو پھر اسی وقت کسی دھوکے میں پڑے بغیر فوراً یہ شرکت ختم کر دی جائے گی۔

۱۰۔ اصول ومقاصد کو نقصان پہنچا کر دوسروں کے ساتھ اتحاد:

کسی سبب اور کسی بھی حالت میں دعوتِ اسلامی کی تحریک سے وابستہ رہتے ہوئے غیروں سے حلیفانہ تعلقات قائم کرنا جائز نہیں ہے جب کہ اس اتحاد کے نتیجے میں اسلام کے اصولوں سے دست بردار ہونا پڑے یا ان میں کچھ کمی کرنا پڑے۔ اس لیے کہ ہم مکمل اسلام کے داعی ہیں اور صرف اسی کا غلبہ چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَدُّوْا لَو تُدْهِنُ فَيُدْهِنُون" (القلم :۹)

(یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ (اپنے منصبی کام یعنی تبلیغ میں) ڈھیلے ہو جائیں تو یہ لوگ بھی ڈھیلے ہو جائیں)

اسی طرح جن اغراض ومقاصد کے حصول کے لیے ہم جدوجہد کر رہے ہیں، ان میں کسی طرح کا ٹ چھانٹ کر کے حلیفانہ تعلقات قائم کرنا بھی درست نہیں ہے اور بصورت دیگر یہ اصول ومقاصد سے انحراف ہوگا۔ اس طرح ہم اپنی جدوجہد اور قربانیوں کو غلط سمت میں صرف کریں گے اور دوسروں کو اس بات کا اختیار دے دیں گے کہ وہ ہماری سمتِ سفر اور لائحہ عمل کا فیصلہ کریں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اس باب میں اعداء اللہ کی دوستی سے ہوشیار رہیں اور نہ ظالموں کی تائید کریں، نہ ان کی طرف مائل ہوں اور نہ اعداء اللہ کو جماعت کے اسرار اور اس کے کم زور پہلوؤں سے آگاہ کریں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ غیروں کے ساتھ ایسے معاہدے اور تعلقات نہ قائم کیے جائیں جن سے ہماری دعوت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو یا شریعت اسلامی کی مخالفت ہو رہی ہو۔ ہماری دوستی، ہماری محبت اور ہمارا اعتماد سب مومنین کے لیے ہے نہ کہ دشمنانِ اسلام کے لیے۔

لَا تَجِدُ قَوْماً يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ

جَنَّاتٍ تَجْرِیْ مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِیْنَ فِیْهَا رَضِیَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُوْلَئِكَ حِزْبُ اللهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (المجادلۃ:۲۲)

''جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) بھروسہ رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف ہیں، گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔ ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے۔ اور ان (قلوب) کو اپنے فیض سے قوت دی ہے (فیض سے مراد نور ہے)۔ اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے۔ یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں۔ خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔''

۱۱۔ مشورہ اور نصیحت کے اصولوں میں خلل پیدا کرنا:

''سورہ الشوریٰ'' قرآن مجید میں ایک ایسی سورہ ہے جو اسلام میں شورائیت پر زور دیتی ہے اور اسے احترام کی نظر سے دیکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اپنے رسول کی رہ نمائی کرنے کے باوجود آپ کو اصحاب سے مشورہ کا حکم دیا تھا اور نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیا اور غزوۂ بدر میں خباب بن ارتؓ کی رائے قبول کی اور غزوۂ خندق میں حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے پر عمل کیا۔

جماعتوں اور اجتماعی عمل کے اندر شوریٰ انتہائی ضروری اور نفع بخش چیز ہے اس لیے کہ اس کے ذریعہ سے پختہ اور درست رائے تک پہنچنا آسان ہوجاتا ہے اور شوریٰ کے ذریعہ عمر رسیدہ لوگ بھی اپنے آپ کو ذمے داریوں میں شریک سمجھتے ہیں اور اس طرح سب کے درمیان باہمی اعتماد و تعاون کی نتیجہ خیز فضا قائم ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اگر شوریٰ کو معطل کر دیا جائے یا اس میں کسی طرح کا خلل واقع ہوجائے تو ان چیزوں کے بجائے کچھ دوسری چیزیں ظاہر ہونا شروع ہوجائیں گی۔

جماعت کے اندر فرد سے یہ مطلوب ہے کہ وہ اپنی دعوت کی فکر کو اپنے دل میں بسائے رہے اور مثبت انداز میں اُن چیزوں کی ہمیشہ نشاندہی کرتا رہے جو دعوت کے لیے نفع بخش یا ضرر رساں ہیں۔ اپنی قیادت کے ساتھ تعاون کرے اور ضرورت پڑنے پر اسلامی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے نصیحت بھی کرے۔ اسی طرح جماعت کے ذمے داروں کا بھی فرض ہے کہ ہر موقع پر درپیش امور و مسائل کے سلسلے میں اپنے بھائیوں سے مشورہ کریں اور اور ان کے ذہن و مماغ اور افکار و خیالات سے فائدہ اُٹھائیں اور کبھی ان نصیحتوں سے دل برداشتہ نہ ہوں جو افرادِ جماعت کی جانب سے پیش کی جائیں، اگرچہ اُن کا اسلوب قدرے غیر شریفانہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ دل برداشتگی کی صورت میں ان نصیحتوں کا سلسلہ بند ہوجائے گا جو دعوت کے لیے بہتری کا باعث ہیں۔ اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ و عمرؓ پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے جنہوں نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالتے وقت مسلمانوں سے مطالبہ کیا کہ جب وہ انہیں کسی موقع پر کج رَو دیکھیں تو سیدھا کر دیں۔ اور حضرت عمرؓ نے اس وقت اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی محسوس نہیں کی جب ایک شخص نے مجمع سے کھڑے ہو کر ان سے کہا: ''اگر ہم نے آپ کے اندر کوئی کجی دیکھی تو اپنی تلواروں سے آپ کو سیدھا کر دیں گے۔''

اس لیے نظام شوریٰ میں خلل ڈالنے کا مطلب ہے قیادت یا جماعت کے کسی بھی ذمہ داری کی جانب سے شوریٰ کو معطل کر دینا اور جب کبھی اس کا موقع آئے تو اس کو کام میں نہ لانا، چاہے اس ذمے داری کی حیثیت اور علمی صلاحیت جو بھی ہو۔ اگر جماعت کے اندر پیدا ہوگئی ہے تو اسے شورائیت سے انحراف تصور کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر افرادِ جماعت منفی موقف اختیار کریں اور ذمے داروں کے سامنے اپنی رائے کا اظہار اور ان کے ساتھ نصح و خیر خواہی کا معاملہ کرنا چھوڑ دیں یا انہیں جماعتی ذمے داریوں میں بالواسطہ طور پر اپنی ہر آن حرکت کا احساس نہ رہے تو یہ بھی نظامِ شوریٰ سے انحراف ہوگا۔

نظامِ شوریٰ سے انحراف کی سب سے سنگین صورت یہ ہے کہ بظاہر دکھانے کے لیے تو یہ نظام موجود ہو لیکن اس کی کوئی معنوی حیثیت نہ ہو۔ یعنی مجلسِ شوریٰ تو ہو لیکن اس کی تشکیل میں ایسے مختلف عوامل داخل ہوگئے ہوں جو اس کی اصل حیثیت کو ختم کر کے صرف ظاہری شکل باقی رہنے دیں تاکہ وہ قیادت کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن جائے اور اس کی ہر رائے کو منظوری دیتی رہے۔ ہمارے بیشتر ملکوں میں قومی اسمبلیوں اور مجالس شوریٰ کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔

اسی طرح طریقۂ انتخاب میں کچھ دھاندلی، کچھ

انتخابات میں سیکورٹی کے لوگوں کی مداخلت اور اس کو بوکس بنانے، پھر ایک بڑی تعداد کے انتخاب کے لیے حاکم کو اس بات کا حق دینا کہ وہ اُنہیں اپنی پسند کے مطابق منتخب کرے، ان سب چیزوں کے نتیجے میں ایک ایسی اسمبلی وجود میں آتی ہے جو حاکمِ وقت کی آمریت کو قانونی جواز فراہم کرتی رہتی ہے اور وہ ایسے قوانین صادر کرتا ہے جن سے عوام کی آزادی سلب ہو جاتی ہے۔

اسلام اہل الرائے اور شوریٰ کے انتخاب میں کسی طرح کا دھوکہ، دھاندلی اور داؤ پیچ کو پسند نہیں کرتا۔ اسلام ہر فرد کو یہ احساس دلاتا ہے کہ اس کے پاس انتخابات کا یہ حق ایک امانت ہے۔ اس لیے نمائندے کے انتخاب کے سلسلے میں اسے مخلوق کی خوشی کے بجائے حق و انصاف اور خوش نودیٔ رب کا متلاشی ہونا چاہئے اور جو اس کے خلاف عمل کرے گا تو گویا وہ اللہ، رسول اور پوری امت مسلمہ کے ساتھ خیانت کرے گا۔

یہاں اس بات کی بھی وضاحت مفید معلوم ہوتی ہے کہ کسی بھی ذمہ دار جماعت کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشورے کے بغیر صرف اپنی ذاتی رائے کی بنیاد پر فیصلے کرے۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں کہ ذمہ دار کو اس قدر پابند کر دیا جائے کہ اُسے فیصلہ لینے میں دشواری ہو یا اس کی صلاحیتیں اس قدر سلب ہو جائیں کہ اس کی حیثیت صرف علامتی رہ جائے اور کسی معاملے میں کوئی قطعی فیصلہ نہ لے سکے۔ اس سے بھی نظامِ شوریٰ میں خلل واقع ہو سکتا ہے۔

اسی طرح جماعت کے افراد یہ نہ سمجھیں کہ ہر چھوٹے بڑے معاملے میں ان سے مشورہ لیا جانا ضروری ہے اور ان کے ذہن میں یہ بات بھی نہیں آنی چاہیے کہ جن امور میں ان سے مشورہ نہیں لیا گیا ہے ان میں وہ قیادت کی اطاعت کے پابند نہیں ہیں۔ اس تصور سے بھی نظامِ شوری میں خلل واقع ہوتا ہے۔ جماعت کی قیادت کو چاہیے کہ ان امور میں توازن پیدا کرے اور ہمیشہ درمیانی اور نفع بخش راستہ اختیار کرے۔

اور آخر میں ذمہ داروں کے لیے ضروری ہے، خواہ وہ کسی منصب پر ہوں کہ ہمیشہ اُن مخلص لوگوں کو اپنے سے قریب کریں جو اُن کے ساتھ نصح و خیر خواہی کا معاملہ کریں اور رائے دینے میں صداقت پسند ہوں، اور ایسے لوگوں کو اپنے سے دور کریں جو ذاتی اغراض اور خواہشات کے بندے ہوں۔

☆☆☆

غریب مسلمانوں کا حق

حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ''سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟'' آپؐ نے فرمایا ''کسی مسلمان کا دل خوش کر دینا بڑے ثواب کا کام ہے، اگر بھوکا ہو کھانا کھلا دو، اس کے پاس کپڑے نہ ہوں تو کپڑے پہنا دو یا اس کی کوئی ضرورت اٹکی ہوئی ہو تو اسے پوری کر دو۔''

(ترغیب بہ حوالہ طبرانی)

فارم نمبر چار (Form (4

مالک : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

پرنٹر : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

ایڈیٹر : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

وقفہ اشاعت : ماہانہ

مقام اشاعت: پہلا منزلہ، بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے، سبھاش چوک، آکولہ۔

میں پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر شیخ نثار شیخ چاند اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم کے مطابق بالکل صحیح ہیں۔

دستخط : شیخ نثار شیخ چاند

”مسلمان دہشت گرد نہیں، ہم امریکی دہشت گرد ہیں“

محمد ندیم اعوان

عالمی سطح پر دہشت گردی، دغابازی اور ہوس کی انتہا کا دوسرا نام ”امریکہ“ ہے۔ بربریت کی انتہا کرنے والا یہ وحشی جانور اور سفاک درندہ انسان نما لباس اوڑھ مسلسل اپنے آپ کو مہذب ترین انسان باور کرانے کی کوشش میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہوا ہے اور انسانیت کے تحفظ کا ایجنڈا لے کر دنیا کو سر پر اُٹھا رکھا ہے جبکہ ایک ایک کر کے پہلے تمام اسلامی دنیا میں داخلی انتشار و فسادات کو جنم دینے کے بعد اُنہیں مسمار کرنے کی خواہش نے آنکھوں کی بصارت کے ساتھ ساتھ ذہنی بصیرت کو بھی ختم کر دیا ہے۔ اپنے ہتھیاروں کی نمائش، تشہیر اور سالہا سال دوسرے ممالک سے زیادہ سے زیادہ ”ریونیو“ بزور بازو بٹورنے کی دوڑ میں سب سے آگے نکل جانے کے لیے اور ”نیو ورلڈ آرڈر“ کے تحت تمام اسلامی دنیا پر جنگ مسلط کیے ہوئے ہے۔ ”جوہری ہتھیار دہشت گردوں کے ہاتھ لگنے کا خطرہ ہے“ کے جواز کا ڈھونگ رچا کر انسانی حقوق کے تحفظ کا عَلم ہاتھ میں لئے ہوئے ملکوں و ریاستوں پر چڑھ دوڑتا ہے جس کے نتیجے میں انسانی حقوق کی پامالی کے بیسیوں ریکارڈ قائم کر چکا ہے۔

میرے نقطۂ نظر سے اُن جدید دانشوروں کا اختلاف قطعی اور یقینی ہے جو اِس شیطنت اور حیوانیت کو ترقی کا معیار گردانتے ہیں۔ اس قسم کے دانشوروں کے لیے امپورٹڈ نیوز [درآمد شدہ خبریں] قرآن و حدیث کا درجہ رکھتی ہیں اور یہ اِسے ماخذ کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔ ’Joshua Key‘ (جوشوائی) ایسا ہی ایک ”اِمپورٹ شدہ“ کردار ہے جو بدمست ہاتھی کے پاگل پن، ذاتی اَنا اور مذموم مقاصد کی نا صرف نشاندہی بلکہ ترجمانی کرتا ہے۔

”جوشوائی“ 1978ء کو امریکہ کی ایک ریاست ’Oklahoma‘ (اوکلاہوما)، جو دس ہزار افراد پر مشتمل ہے، کے ایک قصبہ ’Guthrie‘ (گتھری) میں پیدا ہوا۔ محب وطن اور ذمہ دار شہری کے طور پر پروان چڑھتا گیا اور بچپن ہی سے اُسے حکومت کا احترام نیز اپنے صدر پر مکمل بھروسہ اور اعتماد کرنا سکھایا گیا۔ بچپن سے اسلحہ کا شوقین اور بندوق چلانے کا عادی تھا۔ وقت معمول کے مطابق گزرتا گیا لیکن دھیرے دھیرے مفلسی اور لاچاری نے آگھیرا اور ایسا گھیرا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی ایک شادی شدہ دو بچوں کے باپ کو فقط ایک ہزار دو سو (۱۲۰۰) ڈالر کے عوض ”پرائیویٹ“ [نان کمیشنڈ میں سب سے نچلا عہدہ] کے طور پر آرمی جوائن کرنے پر مجبور کر دیا۔ ”جوشوائی“ نے فوج میں بھرتی ہونے کا آغاز اس نظریے سے کیا تھا کہ فوج میں رہ کر امریکی براعظم میں ہی کسی نہ کسی جگہ پل سازی کا کام کروں گا لیکن امریکن ملٹری نے ”جوشوائی“ اور دوسرے سیاہ فام، لاطینی امریکیوں کو دھوکہ دے کر امریکن ملٹری کمبیٹ سیکشن کا حصہ بنا کر ٹریننگ کے لئے بھیج دیا جو ان کا ایک نفرت انگیز اقدام تھا۔ ٹریننگ کے دوران دو چیزیں خصوصی طور پر پڑھائی گئیں؟ ایک امریکن آرمی کا موٹو ”پہلے آرمی، پھر خدا اور پھر آپ کی فیملی“

اور دوسری چیز یہ کہ ''اس کرۂ ارض پر صرف اور صرف امریکی ہی ایک مہذب قوم ہیں اور صرف امریکن آرمی ہی دنیا میں ڈسپلن قائم کرنے کی اہل ہے جو لوگ امریکی نہیں وہ سب دہشت گرد ہیں۔ 11 ستمبر 2001ء کو جن لوگوں نے ہمارے ملک پر حملہ کیا تھا وہ سب کے سب مسلمان تھے اور سارے مسلمان اور دہشت گرد موت کے سزاوار ہیں''۔ جبکہ ٹریننگ کے دوران غیر امریکیوں کو مخاطب کرنے کے لیے ''لعین''، ''صحرائی'' اور ''حبشی'' جیسے الفاظ بھی استعمال کیے جاتے رہے۔

آخر کار گیارہ ماہ گزرنے کے بعد ٹریننگ ختم ہوئی اور پوسٹنگ ابھی باقی تھی۔ اچانک 20 مارچ 2003ء کو 36 ملکوں کو ہمنوا بنا کر قریباً چار لاکھ افواج کے ساتھ صدر جارج ڈبلیو بش نے عراق پر چڑھائی کا اعلان کر دیا۔ ابھی جنگ کے صرف تین ہفتے ہی گزرے تھے کہ ''جوشوائی'' کو انتظامیہ سے بحث وتمحیص اور جھگڑا تک کی نوبت آنے کے بعد عراق جنگ میں دھکیل دیا گیا کیونکہ وہ کسی صورت اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر جنگ پر جانے کے لئے راضی نہیں تھا اور نہ ہی جنگ کرنے کے لیے وہ آرمی میں بھرتی ہونا چاہتا تھا۔ عراق کی جنگ میں ''جوشوائی'' نے رمادی، فلوجہ، حبانیہ اور القائم میں تقریباً ساڑھے چھ مہینے گزارے۔ اس طویل مگر مختصر عرصے میں ''جوشوائی'' پر امریکہ کی درندگی، سفاکی، بربریت اور پاگل پن عیاں ہوگیا اور ایک محب وطن شہری کے دل میں اب اپنے وطن اور صدر مملکت کے لئے انتہائی حد تک نفرت کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ نومبر 2003ء کو ڈیوٹی سے مختصر چھٹی ملتے ہی ''جوشوائی'' اپنے بیوی بچوں کے ساتھ کینیڈا بھاگ گیا کیونکہ اُسے اپنے ملک کے سرکاری وکیل کی طرف سے یہ بتایا جا چکا تھا کہ ''فوج سے بھگوڑا ہونے کے بعد یا تو واپس فوج بھیج دیا جاتا ہے یا ساری عمر جیل میں گزارنی پڑتی ہے اور اگر جنگ کے دوران کوئی فوج سے بھگوڑا ہو جائے تو اُسے فائرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑا کر کے گولی مار دی جاتی ہے''۔ کینڈا پہنچتے ہی ''جوشوائی'' نے امیگریشن اینڈ ریفیوجی بورڈ کے پاس ریفیوجی سٹیٹس کی درخواست جمع کروائی جو 20 اکتوبر 2006ء کو مسترد کر دی گئی بعد ازاں 4 جولائی 2008ء کو کیس پر نظر ثانی کر کے ریفیوجی سٹیٹس دے دیا گیا۔ اور آج وہ کینیڈا میں اپنی بیوی، تین بیٹوں اور ایک بیٹی [ذاکری، آدم، فلپ، اَنا] کے ساتھ زندگی گزار رہا ہے۔

''جوشوائی'' کا کہنا ہے کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ ہمارا دشمن کہاں ہے، ہمیں اصل دشمن کی کوئی خبر نہ تھی کہ وہ کہاں ہے، کون ہے، اس کا تجربہ کیا ہے اور اس کی جنگی مہارت کیا ہے۔ ہم تو عراق میں سب لڑنے والوں کو محض ڈھور ڈنگر سمجھتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ وہ انسان نہیں بلکہ کوئی پست تر حیوان ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم عراق میں جس جگہ بھی گئے عراقی پروفیشنل سوجھ بوجھ میں امریکن ملٹری سے کئی ہاتھ آگے نکلے۔ جب ہمیں دہشت گردی کی علامات کا کہیں سامنا نہ ہوا تو ہمارا یقین اس جنگ کی کاز سے اٹھنے لگا۔ کسی باقاعدہ حربی معرکے میں چونکہ ہمارا کوئی حقیقی دشمن ہی نہیں تھا اس لیے ہم اپنا غصہ اور جھنجھلاہٹ چھاپے مار مار کر پوری کر لیا کرتے تھے۔ اول اول ان چھاپوں نے ہمیں مواقع فراہم کیے رکھا کہ ہم لوگوں کو زدوکوب کریں، ان کی قیمتی اشیاء چرالیں اور ان کی ملکیت میں ایسی چیزوں کو برباد کر دیں جو ہماری استعمال کی نہیں۔

عراق میں عرصۂ قیام کے دوران میں نے تقریباً دو سو سے زائد چھاپے مارے لیکن مجھے اِن چھاپوں کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آئی کیونکہ جب بھی ہم کسی گھر کے دروازے کو اڑانے کے لیے بارود لگاتے اور اندرونِ خانہ ہر شے کو تہہ و بالا کر دیتے اس مار دھاڑ کا کوئی بھی جواز مجھے مطمئن نہ کر سکا۔ میں نے قیامِ عراق کے دوران امریکی سولجرز کا عراقی بچوں، بوڑھوں اور خصوصاً عورتوں کو بلا کسی جھجک ایسے مارتے پیٹتے دیکھا جو معمول کی کسی بھی لڑائی میں کوئی بھی سولجر روا نہیں رکھتا اور نہ کوئی مذہب حتی کہ انسانیت اس کی اجازت دیتا ہے۔

اس جنگ میں امریکی اور عراقی افسروں اور جوانوں نے جو قربانیاں دیں اس کا جواز صرف اسی صورت میں نکل سکتا ہے جب ہمیں ہمہ گیر تباہی والے ہتھیاروں کا سراغ مل جاتا، ہم ان کے پھیلاؤ کو روک دیتے اور بنی نوع انسان کو کسی عظیم غارت گری سے محفوظ بنا دیتے!۔۔۔ لیکن مجھے اس جنگ میں نہ تو خلافِ قانون منشیات کا کوئی نام و نشان ملا، نہ کسی ہمہ گیر تباہی کے ہتھیار (Weapon of Mass Destruction) دیکھنے کا اتفاق ہوا اور نہ کوئی اور مثبت پہلو اس جنگ کا نظر آیا۔ تب جا کر مجھے احساس ہوا کہ ''مسلمان دہشت گرد نہیں بلکہ ہم امریکی دہشت گرد ہیں''، جنہوں نے ساری دنیا میں

دہشت گردی پھیلا رکھی ہے۔

''جوشوا کی'' کا مزید کہنا ہے کہ ہم چونکہ امریکی تھے اس لیے ہمیں یہ بتا دیا گیا تھا کہ ہم جس گھر میں چاہے گھس سکتے ہیں، چھاپے مار سکتے ہیں اور جہاں چاہیں دشمن کی کارروائی سے چھپ بھی سکتے ہیں، ہم پر روک ٹوک کرنے کا کسی کو حق نہیں پہنچتا۔

اس بات میں بھی کوئی صداقت نہیں تھی کہ صدام حسین کے قبضے میں ہمہ گیر تباہی والے ہتھیار موجود تھے اور یہ بات بھی بالکل جھوٹ اور لغو تھی کہ عراق کا ہر مرد، عورت اور بچہ ایک ایسا بد کردار دہشت گرد ہے جسے امریکی نفرت، امریکی بمباری اور امریکی قبضے کی ضرورت ہے۔

میں نے کینڈا جا کر اپنی داستان بیان کرنے کے لئے مساجد کو ترجیح دی۔ پہلی بار تو مجھے اندیشہ تھا کہ مسلمان مجھ سے نفرت کریں گے اور الزام لگائیں گے لیکن میں نے جس مسجد میں بھی جا کر کوئی تقریر کی نہ صرف میرا بلکہ میری ساری فیملی کا پر تپاک خیر مقدم کیا گیا۔

''جوشوا کی'' سے دوبارہ امریکہ جانے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ''میں دوبارہ امریکہ نہیں جانا چاہوں گا کیونکہ میں اپنے وطن کے لئے گم ہو چکا ہوں اور امریکہ میرے لئے گم ہو گیا ہے۔ ''جوشوا کی'' عراقی جنگ میں دوبارہ شرکت کے حوالے سے اپنا موقف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''میں ایسی جنگ میں شریک نہیں ہونا چاہتا جو غیر منصفانہ ہو اور یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ ایسی جیل میں گلتا سڑتا رہوں جو اپنے ہی وطن کے اندر ہو۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ میرا جرم یہ بھی بتایا جائے کہ میں نے عراق کی اس قابل نفرت جنگ میں شرکت سے انکار کر دیا ہے۔ چنانچہ میرے لئے بھگوڑا ہونے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں تھا۔ ہاں! میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے جانے کو تیار ہوں بشرطیکہ وہاں صدر امریکہ بھی میرے ساتھ ہوں کیونکہ وہ بھی ہماری طرح کے عام آدمی ہیں اور میری طرح سزا کے حقدار ہیں۔''

اقرار جرم کا اعتراف کرتے ہوئے ''جوشوا کی'' کہتے ہیں: ''میں نے عراق میں جو کچھ کیا، اس پر شرمندہ ہوں اور وہ تمام بے قصور شہری جو ہمارے ہاتھوں ہلاک ہوئے، زخمی ہوئے یا کسی بھی اور طرح کا ظلم و ستم ان پر ہوا، اس پر بھی نادم ہوں۔ یہ خیال کہ میں اپنے سینئرز کا حکم بجا لا رہا تھا اور مجبور تھا تو نہ تو یہ خیال میرے کرب میں کوئی کمی کرتا ہے اور نہ ہی میرے ڈراؤنے خوابوں کو ختم کرتا ہے۔

اگر مجھے امریکی صدر کے ساتھ روبرو بات کرنے کا موقع ملے تو میں ان کو بتاؤں گا کہ وہ اپنے ملک کے آئین و قوانین پر نظر ثانی کریں۔ ان کو یہ بتانے کی بھی اشد ضرورت ہے کہ جب میں نے عراقی جنگ میں حصہ لیا تھا تو یہ دیکھا تھا کہ آرمی کے افسروں اور جوانوں نے ان اقدار کو پارہ پارہ کر دیا تھا جن کا پرچم بلند رکھنے کا دعویٰ ہم آئے روز کرتے رہتے ہیں۔ اگر امریکہ کے صدر یہ جاننا چاہیں کہ میں کن اقدار کی بات کر رہا ہوں تو میں ان کو کہوں گا کہ وہ 1776ء کے امریکی اعلانِ آزادی کے اولین الفاظ کو ہی یاد کر لیں جو یہ تھے: ''ہم یہ ساری سچائیاں سر بلند رکھنا چاہتے ہیں جو یہ کہتی ہیں کہ تمام انسانوں کو یکساں پیدا کیا گیا اس لئے بنی نوع انسان برابر ہیں۔ ان انسانوں کو اپنے خالق کی طرف سے یہ عطیہ ارزانی ہوا ہے کہ ان کے بعض حقوق ایسے ہیں جن سے لطف اندوز ہونے کے یکساں مواقع اس خالق کی عطا ہیں، مثلاً زندگی، آزادی، مسرتوں اور خوشیوں کی تلاش۔

میں امریکہ کے لئے اس جنگ کے میدان میں کبھی نہ کودتا اگر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ میں اس کی فوج کی کرتوتیں اُن اقدار کے خلاف ہوں گی جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ میں امریکن آرمی سے بھگوڑا ہونے کی معافی کبھی نہیں مانگوں گا۔ میں ظلم اور جبر و اکراہ سے بھاگا تھا اور فوج کو خیر باد کہنا میرے نزدیک عین انصاف تھا۔

یہ داستان فقط عراق جنگ کا آئینہ دار نہیں بلکہ اُن تمام جنگوں ترجمانی کرتا ہے جو تمام اسلامی دنیا میں شروع کی جا چکی ہیں کی اور ہر جگہ امریکن سولجرز میں ایسے ہزاروں لاکھوں ''جوشوا کی'' موجود ہوں گے جو فوج سے بھگوڑا اور امریکہ سے بھاگ جانا چاہتے ہیں۔ عالمگیر امن اور انصاف کے بلند بانگ دعویداروں کی حالت زار قابل دید بھی ہے اور قابل اصلاح بھی۔ اس جیسی کئی ہزاروں دیگر داستانیں ہیں جو امریکہ کے چہرے سے انسانیت کا نقاب ہٹانے اور ہمارے ہاں اُن ''جدید دانشوروں'' کی عقل ٹھکانے لگانے کے لیے کافی ہیں جو آئے روز اسلام، مسلمان اور انسانیت کے دشمنوں کے گیت گاتے سنائی دیتے ہیں۔ ''جوشوا کی'' کے جوتوں میں بیس قدم چلنے سے کسی بھی ''دانشور'' پر امریکہ کا مکروہ چہرہ آشکارا ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔

(بشکریہ اردو محفل)

☆☆☆

کرونا وائرس: حیاتیاتی جنگ (Biological Warfare) کا ایک نیا ٹریلر

طالب جلال

حیاتیاتی جنگ کیا ہے؟

اس کو دوسرے الفاظ میں جراثیمی جنگ بھی کہا جاتا ہے۔اس میں بیکٹیریا، متعدی ایجنٹس، فنجس، وائرس اور کیڑے مکوڑے وغیرہ کا استعمال کر کے جاندار اور حیاتیاتی نقل تیار کیا جاتا ہے۔

یہ ایک طرح کی حیاتیاتی دہشت گردی (Bioterrorism) ہے۔حیاتیاتی ہتھیار (Biological weapon) یا جراثیمی ہتھیار اعلانیہ اور خفیہ طور پر مختلف ممالک تیار کرتے رہے ہیں۔اگرچہ ایک سو ممالک نے 1972 میں ایک معاہدہ کی رو سے فیصلہ کیا تھا کہ انھیں تیار نہ کیا جائے اور نہ ہی ذخیرہ کیا جائے مگر حیرت انگیز طور پر انھیں استعمال کرنے پر اس معاہدہ میں کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔حالانکہ 1925 میں جنیوا میں ایک معاہدہ کے تحت ان کے استعمال پر عالمی پابندی بھی لگائی گئی تھی۔

جنگی لحاظ سے ایک اچھا حیاتیاتی ہتھیار اسے سمجھا جاتا ہے جس کے جراثیم ایک سے دوسرے فرد کو تیزی سے لگ جاتے ہوں، ہوا کے ذریعے پھیل سکتے ہوں اور جلدی تیار کیے جا سکتے ہوں مگر اس کا توڑ بھی موجود ہو تا کہ اپنے لوگوں کو اس سے بچایا جا سکے۔

حیاتیاتی یا جراثیمی ہتھیار قدیم زمانے سے استعمال میں ہیں۔پہلے ان کی صورت یہ تھی کہ دشمن کے پانی کے ذرائع کو زہر آلود کر دیا جاتا تھا۔اس کے علاوہ جراثیموں سے ناواقفیت کے باوجود دشمن کے پانی کے ذرائع میں فنجس اور ایسے پودے ڈالنے کی مثالیں بھی موجود ہیں جن سے اس پانی کے پینے والے بیمار ہو جائیں یا مر جائیں۔ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ طاعون کے مریضوں کی لاشوں کو دشمن کے علاقے میں پہنچا دیا جاتا تھا۔مثلاً 1710ء میں روس نے سویڈن کے ساتھ جنگ میں ایسا ہی کیا۔امریکا میں یورپی لوگوں نے بہت سی ایسی بیماریاں پھیلائیں جن سے امریکا کے قدیمی باشندے لاکھوں کی تعداد میں مرے۔اس کا تذکرہ لارڈ جیفرے ایمھرسٹ نے کیا ہے کہ 1756-1763 میں فرانسیسیوں نے امریکا کے قدیم باشندوں (ریڈ انڈین) میں ایسے کمبل تقسیم کیے جن میں خسرہ کے جراثیم تھے یعنی انھیں ایسے لوگوں نے استعمال کیا تھا جن کو خسرہ تھا۔یاد رہے کہ امریکہ میں اس سے پہلے یورپی بیماریاں نہیں تھیں کہ ان سے مقامی باشندے آسانی سے موت کے منہ میں چلے جاتے ہوں۔

ایسے ہی کمبل 1834ء میں رچرڈ ھنری نے سان فرانسسکو میں تقسیم کیے اور کئی مقامات پر بیچے۔بیسویں صدی میں امریکہ میں باقاعدہ طور پر فورٹ ڈسٹرکٹ کی تجربہ گاہ میں کئی جراثیم جنگی نقطہ نظر سے تیار کیے گئے جن میں انتھراکس جیسے جراثیم شامل تھے۔سرد جنگ کے دوران امریکہ اور روس نے اس میدان میں بہت تحقیق کی اور متعدد جراثیم اور ان کے توڑ تیار کیے۔کوریا کی جنگ (1950-1953) کے دوران امریکہ نے ان ہتھیاروں کو استعمال بھی کیا۔امریکا نے ہمیشہ ایسے الزامات سے انکار کیا ہے۔

ملاحظہ ہو: Wartime lies, published on:

June 27 1999, New York Times

امریکہ میں حیاتیاتی جنگ کا ایک پروگرام 1942 میں سول ایجنسی ''وار ریزروسروس'' کو سونپا گیا، چنانچہ 1950-53 کی کوریا وار میں روس، چین اور شمالی کوریا نے امریکہ پر الزام لگایا کہ وہ حیاتیاتی ہتھیار کا باقاعدہ استعمال کر رہا ہے۔ بعد ازاں برطانیہ پر عمان کے خلاف اور امریکہ پر ہانگ کانگ اور عراق کے خلاف بایولوجیکل ہتھیار استعمال کرنے کے الزامات لگے۔

کیوبا کئی دہائیوں سے امریکی ستم ظریفی کا شکار بتایا جاتا ہے۔1981ء میں کیوبا میں ڈینگو بخار وبا کی طرح پھیلا۔اس نے کم از کم 158 شہریوں کی جان لی، جن میں سے 51 بچے تھے۔کیوبا کے صدر فیڈل کاسترو نے اس وبا کا ذمے دار امریکہ کو

ٹھہرایا اور اسے کیوبا کے خلاف امریکی حیاتیاتی جنگ قرار دیا۔

جراثیمی تحقیقاتی ادارہ کے مطابق برطانیہ اور امریکہ جہاں جراثیمی ہتھیار تیار کرنے والے ممالک میں سرفہرست ہیں، وہیں ان کے علاوہ سترہ مزید ممالک پر بھی شبہ ظاہر کیا گیا ہے جن میں بھارت، اسرائیل، کوریا، روس، ایران، عراق، شام، مصر، چین، ویت نام، لاوس، کیوبا، بلغاریہ، جنوبی افریقہ، لیبیا، جنوبی کوریا اور تائیوان شامل ہیں۔

ریاست ہائے متحدہ امریکا نے ایسے ہتھیار بھی تیار کیے تھے جو زراعت کو نقصان پہنچاتے ہوں مثلاً گندم اور چاول کی فصلوں کے مخصوص جراثیم جو کلسٹر بم کے ذریعے سے دشمن کے علاقے میں پھینکے جا سکتے ہوں یا ہوا میں چھڑکاؤ کیے جا سکتے ہوں۔ اگرچہ ظاہراً 1970 میں ان کی تیاری امریکہ نے بند کر دی تھی۔

برطانوی لیبارٹری ''اوکزی ٹیک'' نے ڈینگو بخار سے نپٹنے کے لیے جینیاتی متغیر مچھر تیار کیے۔ 2009ء میں یہ جزائر غرب الہند کے جزیرے ''گرینڈ کے مین'' میں چھوڑے گئے۔ 2010ء میں ایسے 30 لاکھ مچھر خفیہ طریقے سے چھوڑے گئے۔

Jeffrey Alan Lockwood, Professor of Natural Sciences and Humanities, University of Wyoming نے ان موضوعات پر کئی وقیع کتابیں تصنیف کی ہیں۔

ستمبر 2001 میں خود امریکا ایسے ہتھیاروں کا شکار ہونے لگا تھا جب امریکی کانگریس اور دوسرے مشہور لوگوں کے علاوہ دفاتر کو ایسے خطوط ملے جن میں انتھراکس کے جراثیم پاؤڈر کی شکل میں موجود تھے لیکن تاحال اس کے ذمہ داروں کا اور ان کے مقصد کا پتہ نہیں چل سکا اور بعض لوگ اسے ایک امریکی ڈراما سمجھتے ہیں۔

حیاتیاتی جنگ کی دنیا میں ایڈز کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ انسانی طور پر تیار کردہ جراثیموں کی مدد سے پھیلا اور یہ جراثیم امریکہ نے اپنی ایک فوجی تجربہ گاہ میں تیار کیے تھے۔ یہ فوجی تجربہ گاہ فورٹ ڈسٹرکٹ، میری لینڈ، امریکا میں واقع ہے۔ اور USAMRIID کہلاتی ہے۔

یہ صرف ایک سازشی نظریہ نہیں بلکہ امریکہ اور مغربی دنیا کے بے شمار لوگ اس کے قائل ہیں اور اس سلسلے میں ان کی تحقیق بھی موجود ہے مثلاً: ھیمبولٹ یونیورسٹی، جرمنی کے ایک پروفیسر جیکب سیگل کی تحقیق کے مطابق امریکی فوجی تجربہ گاہ میں یہ عمل دو جرثوموں Visna اور HTLV-1 کی مدد سے 1977ء میں کیا گیا۔ یہ تجربہ جیل کے کچھ قیدیوں کے اوپر کیا گیا جن کو جلدی رہا کرنے کا وعدہ کیا گیا۔ اس پروفیسر پر امریکا نے روس کا جاسوس ہونے کا الزام لگایا۔

نوبل انعام یافتہ ونگاری متھائی (Wangari Maathai) کے خیال کے مطابق ایڈز کا جراثیم حیاتیاتی ہتھیاروں کے تجربات کی پیداوار ہے اور انسانی ہاتھوں سے بنا ہے۔

مصنف ڈاکٹر ایلن کینٹول Dr. Alan Cantwell نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ایڈز کا جرثومہ جینیاتی تبدیلیوں کا نتیجہ ہے اور امریکا میں اسے تیار کرنے والے تجربات کا ذمہ دار ڈاکٹر وولف زمونس Dr. Wolf Szmuness تھا۔

ملاحظہ ہو:

AIDS and the Doctors of Death: An Inquiry into the Origin of the AIDS Epidemic and Queer Blood: The Secret AIDS Genocide Plot, Dr. Alan Cantwell-

ڈاکٹر لیونارڈ ہوروز Dr. Leonard G. Horowitz نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ایڈز کا جرثومہ امریکی فوجی تجربات کی پیداوار ہے۔

ملاحظہ ہو:

Emerging Viruses: AIDS & Ebola. Nature, Accident or Intentional? and Death in the Air: Globalism, Terrorism and Toxic Warfare By Dr. Leonard G. Horowitz

وائرس کیا ہے؟

یہ دراصل جاندار ہوتا ہے اور ایک لحاظ سے بے جان بھی۔

یہ اربوں کھربوں سال کہیں پڑا ہو تو پڑا رہے گا مرے گا نہیں۔ یہ جتنا ہوتا ہے اتنا ہی رہتا ہے۔ اسے کسی قسم کی کوئی غذا درکار نہیں ہوتی۔ یہ جب تک کسی جاندار کے جسم میں نہیں جاتا اور نہ اپنی تعداد بھی بڑھا سکتا ہے۔ یہ ایک بیکٹیریا کے مقابل تقریباً سو گنا کم حجم رکھتا ہے۔ اس کی قلمیں یعنی کرسٹلز بھی بنائی جا سکتی ہیں جیسے چینی یا نمک کی کرسٹلز ہوتی ہیں اور یہ پھر بھی زندہ ہوتا ہے۔

وائرس کی سینکڑوں اقسام ہیں اور یہ سینکڑوں بیماریاں بھی پیدا کرتا ہے۔

اسے بیرونی ماحول میں صرف جلا کر ہی ختم کیا جا سکتا ہے لیکن جو شے نظر ہی نہیں آتی اسے جلانے کے لیے پوری دنیا کو جلانا پڑے گا۔

اس کا واحد علاج انسانی جسم کا دفاعی نظام یعنی Immune System کرتا ہے۔

جب یہ انسانی جسم میں داخل ہوتا ہے تو انسانی جسم میں موجود دفاعی نظام اور اس وائرس کے درمیان میچ ہوتا ہے۔

اکثر چھوٹے موٹے میچز جیسے عام نزلہ زکام وغیرہ میں تو حتمی فتح انسانی دفاعی نظام کی ہوتی ہے لیکن ایڈز کے سامنے یہ نظام بھی بے بس ہوتا ہے کہ ایڈز کا وائرس حملہ ہی دفاعی نظام پر کرتا ہے۔

وائرس کو آپ سادہ انداز میں ایک کوڈ سمجھ سکتے ہیں جسے فعال ہونے کے لیے ایک زندہ جسم یا خلیہ درکار ہوتا ہے جہاں وہ بھی زندہ ہو جاتا ہے اور آنا فانا اپنی تعداد بڑھانے لگتا ہے۔

کرونا وائرس COVID-19

اس وائرس سے ہونے والا انفیکشن بظاہر بخار سے شروع ہوتا ہے، جس کے بعد خشک کھانسی آتی ہے۔ایک ہفتے بعد سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے۔واضح رہے کہ اس انفیکشن میں ناک بہنے اور چھینکنے کی علامات بہت کم ہیں۔

اس کا وائرس پھیپھڑوں پر حملہ کرتا ہے جس سے نمونیہ جیسی علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ مرض کی شدت کی صورت میں پھیپھڑے کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور موت واقع ہو جاتی ہے۔

کرونا وائرس اب 40 ممالک تک پھیل چکا ہے۔چین میں اب تک کورونا وائرس سے 78 ہزار سے زائد افراد متاثر ہو چکے ہیں جبکہ 2700 ہلاک ہوئے ہیں۔

عالمی ادارہ صحت کے مطابق انفیکشن کے لاحق ہونے سے لے کر علامات ظاہر ہونے تک کا عرصہ 14 دنوں پر محیط ہے۔لیکن کچھ محققین کا کہنا ہے کہ یہ 24 دن تک بھی ہو سکتا ہے۔

کرونا وائرس کیسے شروع ہوا؟ اس سلسلے میں تین آراء سامنے آئی ہیں:

1. یہ وائرس زونوٹک (Zoonotic) ہے۔یعنی اس کی اصل جانور میں پائی جاتی ہے اور یہ جانور سے انسان میں منتقل ہوا ہے۔

نامہ نگار ہیلن برگ کا جائزہ ہے کہ چین کے کسی علاقے میں ہوا میں اڑتے ایک چمگادڑ نے اپنی لید میں کورونا وائرس چھوڑا یہ وائرس جنگل کی زمین پر گرا جہاں پینگولین نام کے جانور کو اس فضلے سے یہ وائرس ملا۔

یہ وائرس دوسرے جانوروں میں پھیلا۔ یہ متاثرہ جانور انسانوں کے ہاتھ لگا اور یہ بیماری انسانوں میں پھیلنی شروع ہوئی اور دنیا میں وبا کی شکل اختیار کرنے لگی۔

نیو لوجیکل سوسائٹی آف لندن کے پروفیسر اینڈریو کنگھم کا کہنا ہے کہ سائنسدان کسی جاسوسی کی طرح ان واقعات کی کڑی جوڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ جنگل میں کئی طرح کے جانوروں میں یہ وائرس ہو سکتا ہے خاص طور پر چمگادڑیں جن میں کئی طرح کے کرونا وائرس پائے جاتے ہیں۔

اس معمے کا دوسرا سوال اس پُراسرار جانور کی شناخت ہے جس کے جسم میں یہ وائرس آیا اور اس سے ووہان کی بازار میں پہنچا۔ اس سلسلے میں پینگولین نام کے جانور پر شبہہ ظاہر کیا جا رہا ہے۔ چیونٹیوں اور دیگر کیڑے مکوڑوں کو کھانے والا یہ جانور دنیا میں سب سے زیادہ اسمگل ہونے والا جانور کہا جاتا ہے اور معدومیت کا شکار ہے۔

ووہان میں ایسے ہی ایک بازار کو وبا پھیلنے کے بعد بند کر دیا گیا جس میں جنگلی جانوروں کا ایک سیکشن بھی تھا جہاں زندہ اور ذبح شدہ جانوروں کو فروخت کیا جاتا تھا۔ان میں اونٹ، ریچھ اور دیگر جانوروں کے اعضا فروخت ہوتے تھے۔روزنامہ گارڈین کے مطابق دوکانوں پر فرخت ہونے والی فہرست میں بھیڑیے کے بچے، سنہری ٹڈے، بچھو، چوہے، گلہری، لومڑی، سیہہ، بجو، کچھوا اور مگر مچھ کا گوشت شامل تھا۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہے چمگادڑیں اور پینگولین اس فہرست میں شامل نہیں تھے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ حالیہ برسوں میں ہمیں جن وائرسز کا پتہ چلا ہے وہ سب جنگلی حیات سے انسانوں میں منتقل ہوئے تھے چاہے وہ ایبولا ہو یا سارس اور اب کورونا وائرس۔

2. چین کی تجارت کو تباہ کرنے کے لیے امریکہ نے کرونا وائرس تیار کیا ہے اور چین میں پھیلا دیا ہے۔

پچھلی کئی دہائیوں سے معاشی طور پر چین مضبوطی کی طرف گامزن ہے اور مختلف چیلنجز کو کامیابی کے ساتھ سنبھالتا رہا ہے تاہم چین نے جب سے اپنے سمندری اثر و رسوخ اور علاقائی توسیع

(Territorial Expansion) کا آغاز کیا ہے تب سے امریکہ و چین کے مابین سرد جنگ کا ماحول ہے۔

انیسویں صدی میں مشہور برطانوی سیاستداں Halford John Mackinder نے کہا تھا کہ دنیا پر دھاک بٹھانے کے لیے علاقائی توسیع (Territorial Expansion) نہایت ضروری ہے۔اسی طرح بیسویں صدی کے اوائل میں مشہور امریکی مؤرخ Alfred Thayer Mahan نے کہا تھا کہ جس ملک کا کنٹرول سمندر پر ہوگا وہی دنیا پہ حکمرانی کرے گا۔

چین کی سوشل میڈیا پر یہ خیال عام ہے کہ کرونا وائرس امریکہ کی طرف سے چین پر ایک بڑا حملہ ہے اور اسے وسیع پیمانے پر ایک مشترکہ سازشی نظریہ بتایا جارہا ہے۔

یہ کہا جا رہا ہے کہ Military World Games - 2019 میں جن امریکی فوجیوں نے حصہ لیا تھا انہوں نے ووہان (Wuhan) کے Hunan Seafood Market میں وائرس پھیلا دیا۔

ان کا نعرہ تھا کہ ایک نئی قسم کی حیاتیاتی جنگ (Biological Warfare) آرہی ہے۔ لہذا چین کے ایک سوشل ایکٹیوسٹ نے چین میں ایک مستقل بائیو ڈیفنس فورس (Biodefense Force) کے قیام کا مطالبہ کیا ہے۔اسی طرح 2002ء میں عام ہونے والے سارس وائرس کے بارے میں بہت سارے چینی سائنسدانوں نے تسلیم کیا تھا کہ سارس (SARS) ایک حیاتیاتی ہتھیار (Biological Weapon) تھا جو امریکہ نے تیار کیا تھا۔

چین کے کچھ فوجی ماہرین نے امریکہ پر یہ الزام عائد کیا تھا کہ اس نے ایوین فلو وائرس (Avian Flu Virus) کو بطور ہتھیار استعمال کیا اور اس نے Antibiotic Resistant Anthrax Strains تیار کرلیا ہے۔

ایک روسی سائنس داں نے اس وقت کہا تھا کہ سارس کے اندر خسرہ (Measles) اور ممپس (Mumps) کا مرکب ہے جسے صرف لیب ہی میں بنایا جاسکتا ہے۔

US Centre for Disease Control and Prevention (US CDCP) کے مطابق سارس کے متاثرین میں 58 فیصد گورے اور 32 فیصد ایشیائی افراد تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ امریکہ بائیوٹیررازم (Bioterrorism) میں بہت پہلے سے متحرک اور فعال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 1960ء میں ہارورڈ یونیورسٹی کے مشہور ماہر حیاتیات (Biologist) میتھو میسلسن (Mathew Meselson) نے حیاتیاتی ہتھیار کے خلاف امریکہ میں ایک کامیاب تحریک چلائی تھی۔

1969ء میں امریکہ نے اس بین الاقوامی معاہدہ سے اتفاق کیا تھا جسے Biological Weapons Convention (BWC) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس معاہدے میں حیاتیاتی ہتھیار کی نشوونما و ذخیرہ اندوزی کو ممنوع قرار دیا گیا تھا اور اس کے متعلقہ عناصر کی ترسیل و تجارت پر پابندی لگائی گئی تھی۔

اس معاملے پر امریکی نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے صدر رچرڈ نکسن نے کہا تھا کہ ہم کبھی بھی جراثیمی ہتھیار استعمال نہیں کریں گے لیکن اگر ہمارے خلاف کوئی اسے استعمال کرے گا تو ہم اس کا بھرپور جواب دیں گے۔

2001ء میں جارج واکر بش انتظامیہ نے Biological Weapons Convention (BWC) کے مجوزہ پروٹوکول کو مسترد کر دیا تھا اور یہ وجہ بتائی تھی کہ یہ پروٹوکول زمینی سطح پر اس مقصد کے لیے ناکافی ہے۔اس انکار نے چینی ماہرین کے اس شبہ کو یقین میں تبدیل کر دیا تھا کہ امریکہ حیاتیاتی ہتھیار کی تیاری میں مصروف ہے۔

2007ء میں چین کے کچھ فوجی محققین نے ایک مضمون شائع کیا جس میں امریکہ پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ مختلف قسم کے حیاتیاتی ایجنٹس سے نئے قسم کا حیاتیاتی ہتھیار تیار کر رہا ہے اور اس کے لئے متعدد ٹیکنالوجی بروئے کار لا رہا ہے۔

ان محققین نے یہ الزام بھی لگایا تھا کہ واشنگٹن کے دفاتر پر ہوئے حملہ میں جو انتھراکس پائے گئے تھے وہ امریکہ کی ملیٹری لیب سے آئے تھے۔

2008 میں جب H5H1 برڈ فلو ایک بڑا مسئلہ بن گیا تھا اس وقت انڈونیشیا کے وزیر صحت سیتی سپاری (Siti Supari) نے امریکہ پر حیاتیاتی ہتھیاروں کو تیار کرنے کے لیے وائرس ایجنٹس استعمال کرنے کا الزام لگایا تھا اور جکارتہ میں جاری امریکی بحریہ کے میڈیکل ریسرچ یونٹ کے آپریشن کو معطل کر دیا تھا۔

3. کرونا وائرس چین کے حیاتیاتی لیب کا ایک حادثہ ہے۔ اس کو بایو سیفٹی حادثے (Biosafety Accident) کے طور پر دیکھا جا رہا ہے کہ کرونا وائرس لیب ریسرچ کے دوران لیب سے باہر آگیا اور سائنسداں اس کے درست پروٹوکول پر عمل نہیں کر سکے۔

ووہان انسٹیٹیوٹ آف وائرولوجی میں چین کا سب سے بڑا بایو سیفٹی سینٹر BSL-4 بھی شامل ہے۔ اس کے محققین میں ایک نام شی زینگلی (Shi Zhengli) کا ہے۔ شی زینگلی نے اپنا نام Batwoman رکھا ہوا ہے۔ اس نے چمگادڑ اور دیگر ایجنٹس سے کرونا وائرس تیار کیا ہے۔ لیکن شی زینگلی نے اس الزام کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ قدرت لوگوں کی غیر مہذب زندگی کی وجہ سے ان کو سزا دے رہی ہے۔

چینی حکومت نے ووہان انسٹیٹیوٹ آف وائرولوجی کے BSL-4 کے ہیڈ کو تبدیل کر دیا ہے۔ اب چن وی (Chen Wei) کو BSL-4 کا نیا سربراہ مقرر کیا گیا ہے۔ چن وی چین کا سب سے ماہر بایو وارفیئر ہے۔

اس نئی تقرری نے اس شبہ کو گہرا کر دیا ہے کہ Wuhan Institute of Virology کا BSL-4 ہی وہ مرکز ہے جہاں سے کرونا وائرس لیک ہوا۔

14 فروری 2020ء کو چینی صدر شی چن پنگ (Xi Jinping) نے اپنی قومی سلامتی کے لیے بایو سیکورٹی اور بایو سیفٹی کی ضرورت پر روشنی ڈالی۔

جیفانگ ڈیلی (Jiefang Daily) سے منسلک ویب سائٹ پر ایک پوسٹ شائع ہوا۔ اس کے مطابق چند امریکی CDC ماہرین جاسوسی کے لیے ایک فوجی مشن پر آسکتے ہیں تاکہ وہ وائرولوجی (Virology) میں چین کی صحیح صلاحیت کا اندازہ لگا سکیں۔

فروری 2020ء میں ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن WHO کا ایک وفد چین کے دورے پر آیا تھا۔ اس وفد میں امریکہ کے دو ماہرین بھی شامل تھے لیکن یہ وفد ووہان کے وائرولوجی انسٹیٹیوٹ (Wuhan Institute of Virology) نہیں جا سکا۔

حیاتیاتی ہتھیار کی دنیا میں چین کافی تاخیر سے میدان میں آیا۔ دوسری جنگِ عظیم میں جاپان نے یونٹ 731 پروگرام میں دس ہزار سے زائد قیدیوں پر حیاتیاتی ہتھیار کے تجربات کئے۔ تیس ہزار سائنسدانوں نے وسیع پیمانے پر انسانی جانوں سے کھیلنے کا ایسا مظاہرہ کیا کہ تاریخِ انسانی ہی شرما جاتی ہے۔ چوہوں پر کیے گئے کامیاب تجربات بعد ازاں چانگئے شہر میں دس ہزار چینی باشندوں کی موت پر انجام پذیر ہوئے۔

ان حالات نے اس وقت کے چینی وزیر اعظم چاؤ انلائی (Zhou Enlai) کو پریشان کر دیا اور 1951ء میں اس نے Academy of Military Medical Science (AMMS) قائم کیا۔

2014ء میں AMMS نے چین کی دوا ساز کمپنیوں کے ساتھ مل کر ایبولا وائرس (Ebola Virus) کا اینٹی تیار کیا تھا۔

1990ء کی دہائی میں چین کے سرکاری ذرائع نے اطلاع دی کہ چینی سائنسدانوں نے نادر زمین (Rare Earth) کو ایک میڈیم کے طور پر استعمال کیا جس میں بہت تیزی سے بروسیلوسس (Brucellosis) کاشت کی جا سکتی تھی۔ بروسیلوسس ایک موزوں حیاتیاتی ایجنٹ ہے۔

وائرس کے کئی حادثے چین میں حالیہ دنوں میں رونما ہوئے۔ مثال کے طور پر دسمبر 2019ء میں Lanzhou Veterinary Research Institute میں کام کرنے والے 65 افراد بروسیلوسس (Brucellosis) سے متاثر ہو گئے تھے۔

جنوری 2020ء میں مشہور چینی سائنسداں لیننگ (Li Ning) کو بارہ سال قید کی سزا سنائی گئی کیونکہ وہ مقامی مارکیٹ میں تجربات شدہ جانور فروخت کر رہا تھا۔

درج بالا تفصیلات کے مختلف جہات واضح طور پر یہ بتاتے ہیں کہ کرونا وائرس حیاتیاتی جنگ کا ایک نیا عنوان ہے۔ اگرچہ حقائق اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ وائرس غلطی سے ووہان لیب سے لیک ہوا تاہم نمبر 2 اور نمبر 3 کی آراء ایک لحاظ سے مشترک ہیں اور وہ یہ ہے کہ دنیا حیاتیاتی ہتھیار کی دوڑ میں بدترین تحقیقات میں مصروف ہے۔ دجالیت اور حیوانیت کا عفریت انسانیت کو نگل رہا ہے۔ موجودہ حالات اہل ایمان سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ظاہری نظافت کے ساتھ باطنی طہارت کے ذریعہ اپنے آپ کی حفاظت کریں۔

کرونا وائرس اور معاشی ایمرجنسی کا خطرہ

سراج الدین فلاحی

ملک عزیز اس وقت ہنگامی حالات سے دو چار ہے۔کورونا وائرس نامی مرض نے بھارت ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کو اپنی گرفت میں جکڑ رکھا ہے۔اس کے پیش نظر ہمارے ملک کی سرکار نے اکیس دنوں کے لاکا اعلان کیا ہے۔ماہرین نے اور مزید لاک ڈاؤن کا خدشہ ظاہر کیا ہے۔اس لاک ڈاؤن سے عوام کی زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی ہے اور ملک کی معیشت، جو پہلے ہی ہچکولے لے رہی تھی، اب بالکل ڈوبنے کی کگار پر آ گئی ہے۔ہر طرف افراتفری کا عالم ہے۔لہٰذا عوام کی پریشانیوں کے مدنظر مرکزی اور ریاستی حکومتوں نے بڑے بڑے راحتی پیکجز کا اعلان کیا ہے تا کہ غریبوں اور بے روزگاروں کے زخموں پر مرہم لگایا جا سکے۔ RBI کے گورنر نے بھی اس موقع سے کئی بڑے اعلانات کیے ہیں۔ریپو ریٹ 0.75 تو ریورس ریپو ریٹ 0.9 فیصد کم کر دیا ہے۔اس سے لون اور اس کی EMI(Equated monthly installments) میں عوام کو چھوٹ ملے گی۔ اس کے علاوہ CRR(Cash Reserve Ratio) میں کمی کی گئی ہے تا کہ بینکوں کی لون دینے کی صلاحیت میں اضافہ ہو۔معیشت میں فنڈ کی کمی کے سبب 3.74 لاکھ کروڑ روپیے کی Liquidity ڈالی گئی ہے،وغیرہ وغیرہ۔ڈر اس بات کا ہے کہ راحتی پیکجز کا اعلان کر کے سرکار اپنا خزانہ خالی دکھا کر کچھ بھی کر سکتی ہے۔ چنانچہ اس سنہرے موقع کا فائدہ اٹھا کر بی جے پی لیڈران معاشی ایمرجنسی نافذ کرنے کی باتیں کرنے میں پیش پیش ہیں۔معاشی یا مالیاتی ایمرجنسی کیا ہے؟ اگر خدانخواستہ یہ نافذ ہوگئی تو اس کے نافذ ہونے سے ملکی معیشت اور عوام پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ اس تحریر میں ہم یہی سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

مالیاتی یا معاشی ایمرجنسی ایک ایسی ایمرجنسی ہے جس کو آج تک انڈیا میں نافذ نہیں کیا گیا۔اس کو دستور ہند کے آرٹیکل 360 میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کو اگر لاگو کر دیا جائے تو ملکی اثاثے سرکاری تحویل میں جا سکتے ہیں اور سرکار جب چاہے اسے اپنے طریقے سے استعمال کر سکتی ہے۔البتہ اس کو بہت خاص حالات میں نافذ کیا جاتا ہے۔ ملک میں لاک ڈاؤن کی وجہ سے جس طرح معاشی حالات خراب ہو گئے ہیں بھوک مری، غربت و افلاس اور بے چارگی کا جو حال ہے اسے بیان کرنا الفاظ کے بس کی بات نہیں۔ریلوے، فلائٹ اور دیگر تجارتی منڈیوں کو بند کر دیا گیا ہے۔ شیئر مارکیٹ بجلی کی سی تیزی سے لڑھک رہا ہے۔ اس طرح کبھی انڈیا میں لاک ڈاؤن نہیں ہوا تھا اور نہ ہی ایسی صورت حال کبھی پیدا ہوئی تھی اس لئے معاشی ایمرجنسی بعید از قیاس نہیں ہے۔جب ہم دستور ہند کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں دستور ہند میں تین طرح کی ایمرجنسیوں کا ذکر ملتا ہے:

(1) نیشنل ایمرجنسی یہ دستور ہند کے آرٹیکل 352 کے تحت لگائی جاتی ہے۔اس کو 1975 میں اندرا گاندھی نے لگایا تھی۔ (2) اسٹیٹ ایمرجنسی: یہ دستور ہند کے آرٹیکل 356 کے تحت لگائی جاتی ہے۔ یہ ریاستوں میں کئی دفعہ گھائی گئی ہے یا اس کو صدر راج بھی کہتے ہیں۔(3) معاشی ایمرجنسی: یہ دستور ہند کے آرٹیکل 360 کے تحت لگائی جا سکتی ہے البتہ آج تک لگائی نہیں گئی ہے۔

ابتدائی دور کے بارے میں ہم سب جانتے ہیں کیونکہ ان کو ماضی میں نافذ کیا جا چکا ہے۔ یہاں ہم تیسری ایمرجنسی جس کو معاشی ایمرجنسی کے طور پر جانا جاتا ہے اس کا ذکر کریں گے۔

آرٹیکل 360 کے تحت معاشی ایمرجنسی کا اعلان صدر جمہوریہ کے ذریعے اس وقت کیا جاتا ہے جب صدر کو مکمل یقین ہو جائے کہ اس وقت ملک میں زبردست معاشی بحران کا خطرہ ہے۔ ملک مختلف طرح کے معاشی مسائل سے دو چار ہے اور سرکار دیوالیہ ہونے کے نزدیک ہے۔چناں چہ اس ایمرجنسی میں ملکی اثاثوں پر سرکار کا حق ہو جاتا

ہے۔صدر جمہوریہ ریاستی اور مرکزی ملازمین کی تنخواہوں کو کم کرسکتا ہے گرچہ وہ سپریم کورٹ کا جج ہی کیوں نہ ہو، ملکی اثاثوں کو اپنی تحویل میں لے کر اسے استعمال کرسکتا ہے، ریاستوں کے مالیاتی امور میں دخل دے سکتا ہے اور یہ ساری اتھاریٹیز اس کو آرٹیکل 360 کے نافذ ہوتے ہی مل جاتی ہیں۔ یہ ایمرجنسی کسی خاص مدت تک کے لیے نہیں بلکہ مہینوں اور سالوں تک رہ سکتی ہے۔اس کو ہٹانا صدر کی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔

آرٹیکل 360 لاگو کرنے کے لئے وزیر اعظم اور منسٹر آف کونسل صدر جمہوریہ کو تجویز دیتے ہیں کہ آپ معاشی ایمرجنسی کا اعلان کیجیے۔صدر جمہوریہ کو اپنے اعلان سے قبل پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے اسے پاس کروانا لازمی ہوتا ہے اور جب یہ پاس ہوجاتی ہے تو مرکز کی Executing Authority پورے ملک میں لاگو ہوجاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرکز کا Executing Power بہت بڑھ جاتا ہے۔ چناں چہ مرکزی حکومت ریاستی حکومتوں کو مالیاتی فیصلے جاری کر سکتی ہے اور ریاستوں کے ودھان سبھاؤں میں جتنے بھی Financial or Money Bills ہوتے ہیں، وہ صدر کے پاس Approval کے لئے جاتے ہیں اور جب وہ منظور کرتا ہے تبھی وہ لاگو ہوتے ہیں۔یعنی Money Bill کو لاگو کرنے کا اختیار بھی ریاستوں سے چھین لیا جاتا ہے اور مالیاتی امور میں تمام ریاستیں مرکز کی پابند ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہا نہیں مرکز کا کہنا ہر صورت میں ماننا پڑتا ہے۔آپ نے دیکھا ہوگا چند روز قبل بی جے پی لیڈر سبرامینیم سوامی نے ٹویٹ کیا تھا کہ حکومت کو معاشی ایمرجنسی نافذ کر دینی چاہیے۔بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر Center for Accountability and Systemic Change (CASC) نامی ایک ادارہ نے اس کے لیے سپریم کورٹ میں درخواست بھی دے دی ہے۔ 24 مارچ کو وزیر اعظم نے کرونا پر قوم سے خطاب کیا تھا۔اس وقت بھی اندازہ لگایا جارہا تھا کہ ہوسکتا ہے وہ معاشی ایمرجنسی نافذ کرنے کی صدر جمہوریہ سے اپیل کریں گے لیکن ایسا نہیں ہوا اور ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ ایسا ہو بھی نہ۔

آزاد ہند کی تاریخ میں آج تک معاشی ایمرجنسی نہیں لگی ہے۔سن 1991 میں ایک بار ملک میں معاشی ایمرجنسی لگتے لگتے رہ گئی جب ملک انتہائی خطرناک معاشی بحران کا شکار ہوگیا تھا۔غیر ملکی زرمبادلہ صرف دس روز کا بچا ہوا تھا، فزکل خسارہ آسمان چھو رہا تھا اور Gross Domestic Product (GDP) کا ایک بڑا حصہ لیے گئے لون پر سود کی شکل میں ادا کرنا پڑتا تھا۔اتنی خطرناک صورتحال میں عالمی بینک نے قرض دینے سے منع کر دیا تھا۔ چنانچہ حکومت کو قرض لینے کے لئے عالمی بینک کے پاس اپنا سونا گروی رکھنا پڑا تھا۔اس وقت عالمی بینک کے سجھاؤ پر انڈیا نے نئی معاشی پالیسی نافذ کی تھی، جس میں Liberalisation Privatisation and Globalisation کی پالیسیاں اہم تھیں۔ ان پالیسیوں کی وجہ سے ملک میں Foreign Direct Investment (FDI) بڑھا اور ملک معاشی بحران سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا لہذا سرکار کو معاشی ایمرجنسی نافذ کرنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ دہاڑی پر کام کرنے والے مزدور، دکان دار، ہوٹل، ریسٹورینٹ، ریلوے، فلائٹ، سینما گھر، ٹورزم، بی پی او، انڈسٹریاں غرض یہ کہ معیشت کے تمام شعبے جن سے آمدنی پیدا ہوتی ہے بالکل بند ہوگئے ہیں۔انہیں سے عوام کا پیٹ بھرتا ہے اور سرکار کو ٹیکس کی شکل میں Revenue ملتا ہے۔ان سب کے بند ہونے سے ملک بھوک مری کی کگار پر آگیا ہے۔ اگر یہ صورت حال زیادہ دنوں تک ایسے ہی برقرار رہتی ہے تو کیا حالات ہوں گے،اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ملک کی معیشت Depression میں چلی جائے گی جو کہ بہت ہی بھیانک صورت حال ہوتی ہے کیونکہ اس صورت حال میں عوام کی ایک بڑی تعداد دانے دانے کو ترستی ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی دنیا اس طرح کے حالات سے دوچار ہوئی، لوٹ مار عام بات ہوگئی۔ دونوں عالمی جنگوں سے قبل دنیا کے معاشی حالات یہی تھے۔آگے آنے والے دنوں میں کیا ہونے والا ہے یہ کسی کو نہیں معلوم،اس لئے ہمیں حالات پر نظر بنائے رکھنا چاہیے۔ اور اپنے Level پر تدبیریں بھی کرنا چاہئیں۔ اس افراتفری کے درمیان ایک خبر یہ آرہی ہے کہ سرکار بینک میں عوام کے رکھے پیسوں پر اپنی نظریں جمائے ہوئے ہے حالاں کہ سرکار نے اسے افواہ قرار دیے ہوئے سختی سے خارج کردیا ہے لیکن ہمیں چوکنا رہنے کی ضرورت کیوں کہ بقول مشتاق یوسفیؒ یہاں کی افواہوں کی خاص بات یہ ہے کہ وہ اکثر سچ نکلتی ہیں۔

☆☆☆

عدلیہ کا پیلٹ گن پر پابندی سے انکار، کشمیر میں مایوسی!

گزشتہ ماہ جموں کشمیر ہائی کورٹ کے ایک عدالتی فیصلے نے کشمیریوں اور انسانی حقوق کے کارکنوں میں بے چینی پیدا کردی۔ ہائی کورٹ نے Pellet Gun (پیلٹ گن) پر پابندی لگانے کے لیے دائر کی گئی ایک عرضی کو مسترد کردیا۔ پیلٹ گن پر روک لگانے کی عرضی پر سماعت کرتے ہوئے یہ واضح کیا کہ جب تک بے قابو بھیڑ کے ذریعے تشدد کیا جاتا ہے طاقت کا استعمال ناگزیر ہوتا ہے۔ جموں کشمیر ہائی کورٹ نے اس عرضی کو خارج کیا جس میں وادی کشمیر میں مظاہرین کی بھیڑ کو قابو کرنے کے لیے فورسز اہلکار پلیٹ گن کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ درخواست جموں کشمیر ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے ذریعے 2016ء میں اس وقت دائر کی گئی تھی جب وادی میں معروف عسکری کمانڈر برہان وانی کی شہادت کے بعد وادی میں احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوا تھا جس میں فورسز اہلکاروں نے احتجاج کو قابو کرنے کے لیے پلیٹ گن کا استعمال کیا تھا جس کے سبب سیکڑوں لوگ زخمی ہوگئے تھے ان میں سے بیش تر کو اپنی بینائی مکمل یا جزوی طور پر کھونا پڑی تھی کے بعد یہ عرضی دائر کی گئی تھی۔ عدالت کا کہنا تھا کہ کس جگہ کس طرح سے طاقت کا استعمال کرنا ہے یہ اس جگہ کے انچارج شخص پر منحصر کرتا ہے، جو اس جگہ تعینات ہے جہاں حملہ ہو رہا ہے۔

پیلٹ گن کشمیر میں احتجاجی مظاہرین کے لیے استعمال میں اُس وقت لانے شروع ہو گئے جب 11/ جون 2010ء کو طفیل متو راجوڑی کدل سرینگر میں آنسو گیس شل لگنے سے جاں بحق ہوا تب وہ کوچنگ کلاس جا رہا تھا اسی طرح سے تیرہ سالہ ایک اور طالب علم وامق فاروق جنوری 2010ء میں نزدیک سے ایک آنسو گس شل کا شکار ہو کر جاں بحق ہوگیا تھا۔ ان اموات کے بعد نہتھے والے احتجاج کو روکنے کے لیے فورسز نے پیلٹ گن کا استعمال شروع کیا تھا۔ اس کے بعد زخمیوں اور بینائی سے محروم نوجوانوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ پلٹ بندوق ایک بار چلانے سے اس میں سے 500 پیلٹ ایک بار آگے کی سمت میں نکل کر بکھر جاتے ہیں جو کوئی بھی ان چھروں کی زد میں آتا ہے وہ زخمی ہو جاتا ہے۔ پیلٹ کے چھرے لگنے کے بعد انسان زخمی ہونے کے ساتھ ساتھ شدید قسم کا درد محسوس کرتا ہے۔ پیلٹ چھرے دور سے انسان کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتے لیکن جب یہ 500 میٹر کی دوری سے چلائے جائیں تو شدید نقصان پہنچاتا ہے خاص طور سے جب یہ انسان کے نازک حصوں پہ جا کے لگتے ہیں جن میں آنکھیں سب سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔

سرکاری عہدہ داروں کا کہنا ہے کہ پیلٹ گن غیر مہلک ہتھیار ہے باوجود اس کے 2010ء سے آج تک کشمیر میں ہزاروں نوجوان جُزوی اور ایک سو سے زائد نوجوان کلی طور اپنی آنکھوں کی بینائی سے محروم ہوگئے ہیں اور ابھی تک پیلٹ گن کی وجہ سے 14/ افراد کی موت بھی واقع ہوئی ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کے مطابق حکومت ہند اس ہتھیار کو پیلٹ گن کہتی ہے لیکن اصل میں یہ پمپ ایکشن شاٹ گن (Pump Action Shotgun) ہے۔ ایمنسٹی کا مزید کہنا ہے کہ یہ اکثر جنگلی شکار کے لیے استعمال کی جاتی ہے یہ ہتھیار احتجاج کو قابو کرنے کے لیے نہیں بنائی گئی ہے۔ انسانی حقوق کے عالمی اداروں نے بارہا حکومت ہند کو مشورہ دیا ہے کہ اس مہلک ہتھیار پر پابندی

عائد کرے۔ وادی کشمیر میں پیلٹ گن کی وجہ سے خواتین، بزرگ اور پیر وجواں سب متاثر ہوئے ہیں۔ جن میں اکثریت نوجوانون کی ہے۔ 2018ء میں جنوبی کشمیر کے ضلع شوپیاں سے تعلق رکھنے والی کم عمر بچی ہبہ نثار پلیٹ لگنے کی وجہ سے اپنی ایک آنکھ کی بینائی کھو بیٹھی، اسی طرح سے ایک اور بچی انشاء مشتاق بھی 2016ء میں پیلٹ لگنے کی وجہ سے اپنی دونوں آنکھوں کی روشنی سے محروم ہوگئی۔ اسی طرح درجنوں نوجوان جو اب زندگی محتاجی کے عالم میں گُزارنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ شمالی کشمیر سے ایک پیلٹ متاثرہ نوجوان نے ہائی کورٹ کے اس فیصلے پر انتہائی افسوس اور مایوسی کا اظہار کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ''ایک اُمید تھی وہ چلی گئی ہم چاہتے تھے کہ اب کوئی نوجوان کشمیر میں اندھا نہ ہو کوئی نوجوان زندگی بھر محتاج نہ ہو لیکن گزشتہ ہفتے کے عدالتی فیصلے نے ہم کو مزید مایوسی کا شکار بنا دیا''۔ متاثرہ نوجوان کی دونوں آنکھیں پیلٹ لگنے کی وجہ سے بینائی سے محروم ہوگئی ہیں نے کہا کہ ''جب کوئی نوجوان پیلٹ کی وجہ سے اپنی آنکھوں کی بینائی کھو دیتا ہے تو وہ لازماً ذہنی بیماری میں مبتلا ہو جاتا، وہ محتاج ہوجاتا ہے، وہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہتا جس کی وجہ سے کبھی کبھی ایسے نوجوانو خودکشی کی بھی کوشش کرتے ہیں''۔ اس نے بتایا کہ میرے ایک جاننے والے پیلٹ متاثرہ فرد نے گزشتہ سال خود کشی کرنے کی کوشش اس لیے کی کہ اس کے گھر میں دو پہر کا کھانا نہیں تھا یہ نوجوان اس گھر کا واحد کفیل تھا جس کی اپنی زندگی اب دوسروں کی محتاج ہوگئی ہے اور دیگر افراد خانہ بھی دو وقت کی روٹی کے لیے در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہیں۔

کشمیر میں ایک تحقیق کے مطابق 85 رفی صد پیلٹ متاثرین نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جس میں 25.79 فی صد سماج میں احساس تنہائی کا شکار 15.79 فی صد پوسٹ ٹرامیٹک اسٹرس ڈس آڈر 9.21 فی صد شدید پریشانی کی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ڈاکٹروں نے 380 پیلٹ متاثرین کی تشخیص کے دوران پایا کہ 2016ء کے بعد پیلٹ متاثرین مختلف قسم کی نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ اس تحقیق کے مطابق بینائی سے محروم نوجوانوں میں ذہنی انتشار پیدا ہونے کے زیادہ اثرات پائے جاتے ہیں۔ پیلٹ متاثرین میں سے 92.92 فی صد افراد ذہنی پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ تاہم جن 380 رپیلٹ متاثرین پر یہ تحقیق کی گئی ہے ان کا علاج متواتر گورنمنٹ میڈیکل کالج سرینگر میں ہو رہا ہے گرچہ بہت سارے متاثرین نفسیاتی امراض کے ماہرین کے پاس جانے سے گریز کرتے ہیں۔ تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ بہت سارے متاثرین اپنے ذہنی امراض کو نہیں جانتے۔ تاہم بہت سارے مریضوں کی کونسلنگ اور دیگر ادویات کے ذریعے ان کا علاج کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ ان سب متاثرین کی ایک بار اسکرینگ کی جانی چاہے تا کہ ان کا صحیح طریقے سے علاج کیا جائے۔

مجموعی طور پر کشمیر میں ہائی کورٹ کے اس فیصلے پر عوام میں ناراضی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ لوگوں کا ماننا ہے کہ عدالت ہی ایک واحد ذریعہ ہے جس کے ذریعے اس مہلک ہتھیار سے نوجوانوں کو بچایا جا سکتا تھا، لیکن اب اس عدالتی فیصلے نے وادی میں مایوسی پھیلا دی ہے اور پیلٹ متاثرین بھی اس فیصلے کو حق و انصاف کے منافی خیال کرتے ہیں۔

☆☆☆

''معلوم ہوا کہ کسی شخص کو شرائطِ انصاف کے مطابق عدالت میں مجرم ثابت کیے بغیر، بس یونہی پکڑ کر جیل میں بھیج دینا، بے ایمان حکم رانوں کی پرانی سنت ہے۔ اس معاملہ میں بھی آج کے شیاطین ۴ رہزار برس کے اشرار سے کچھ بہت زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ فرق اگر ہے تو بس یہ کہ وہ ''**جمہوریت**'' کا نام نہیں لیتے تھے اور یہ اپنے ان کرتوتوں کے ساتھ یہ نام بھی لیتے ہیں۔

وہ قانون کے بغیر اپنی غیر قانونی حرکتیں کیا کرتے تھے، اور یہ ہر ناروا زیادتی کے لیے پہلے ایک ''**قانون**'' بنا لیتے ہیں۔ وہ صاف صاف اپنی اغراض کے لیے لوگوں پر دست درازی کرتے تھے اور یہ جس پر ہاتھ ڈالتے ہیں اس کے متعلق دنیا کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اُس سے اِن کو نہیں بلکہ ملک اور قوم کو خطرہ تھا۔ غرض وہ صرف ظالم تھے، یہ اِس کے ساتھ جھوٹے اور بے حیا بھی ہیں۔''

سورۂ یوسف کی آیت ۳۰ کا حاشیہ تفہیم القرآن (جلد ۲۔ صفحہ ۳۹۹۔ ۴۰۰)

'NPR-2010' کے سوالات سے NRC بنانے میں کوئی رکاوٹ نہیں آئے گی

شعیب دانیال مترجم : معاذ احمد جاوید

NPR یعنی 'بھارت کے رہائشیوں کی فہرست' دراصل NRC (قومی شہری رجسٹر) کے عمل کا پہلا مرحلہ ہے۔ ایک بار اگر این آر سی بنالیا گیا، تو کوئی بھی رہائشی جس کا نام اس سے خارج ہوگا، وہ ''غیر قانونی پناہ گزیں'' قرار پائے گا اور اس پر تعزیرات ہند کے تحت مقدمہ چلایا جاسکتا ہے۔

NPR کے NRC سے اس تعلق نے NPR کو انتہائی متنازعہ عمل بنادیا ہے۔ NPR کی تیاری (Back-end Work) شروع ہوچکی ہے اور کچھ ہی دنوں بعد حکومتی کا رندے (Enumerator) لوگوں کے ڈیٹا جمع کرنے کے لئے گھر گھر پہنچیں گے۔ اس لیے بہت سے لوگ یہ دعوی کررہے ہیں کہ وہ Enumerator کو اپنا اور اپنے خاندان کا ڈیٹا نہیں دیں گے۔

حالاں کہ این ۔ پی ۔ آر مرکزی حکومت کے ذریعہ بنایا جارہا ہے لیکن لوگوں کے ڈیٹا جمع کرنے کا کام صوبائی حکومتوں کے ملازمین کریں گے۔ اس تنازع کی وجہ سے دو صوبوں؛ مغربی بنگال اور کیرالا نے این ۔ پی ۔ آر کے عمل کو وقتی طور پر روکنے کا اعلان کیا ہے۔ جب کہ کچھ دیگر صوبوں نے یہ مطالبہ کیا ہے 2020 کے این۔ پی۔ آر میں پوچھے جانے والے زائد سوالات کو ہٹا کر 2010ء کے فارمیٹ کے مطابق این۔ پی۔ آر کرایا جائے۔

2020 کا این پی آر 2010 کے مقابلے میں 8 اضافی سوالات پر مشتمل ہے، جس میں سب سے متنازعہ اضافہ 'والدین کا تاریخ اور مقام پیدائش' کے متعلق سوال ہے۔ چوں کہ والدین کی شہریت کا تعین بھارتی شہریت کے لیے ایک اہم ڈیٹا ہے۔ اس لیے مبصرین یہ کہہ رہے ہیں کہ نئے اضافی سوالات کو ڈال کر حکومت این پی آر کے ڈیٹا کے ذریعہ این آر سی بنانا چاہ رہی ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ اگر ہم این پی آر 2010 کے سوالات کو اختیار کریں، جس میں بہ ظاہر والدین کی تاریخ و مقام پیدائش کے متعلق سوالات نہیں ہیں تو این آر سی کا عمل رُک جائے گا (حالاں کہ ایسا نہیں ہے)۔

NPR2010 میں والدین کی تاریخ و مقام پیدائش ریکارڈ کی گئی تھی

یہ ٹھیک ہے کہ این پی آر 2020 کے سوالات میں 'والدین کی تاریخ و مقام پیدائش' بہت واضح انداز میں پوچھے گئے ہیں، لیکن یہ سوچنا صحیح نہیں ہے کہ این پی آر 2010 میں یہ ڈیٹا نہیں جمع کیا گیا تھا۔

'این پی آر 2010' میں ان لوگوں کے والدین کے مقام و تاریخ پیدائش کا ریکارڈ لیا گیا تھا جو اپنے والدین کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ یہ این پی آر 2010 کے سوال نمبر 9 کے ذریعہ کیا گیا تھا، جس میں والدین کی تفصیلات طلب کی گئی تھیں۔ حالاں کہ اس سوال میں ماں باپ کے مقام و تاریخ پیدائش سیدھے طور پر نہیں پوچھے گئے تھے، بلکہ سوال اس طرح پوچھا گیا تھا کہ 'جو لوگ والدین کے ساتھ رہ رہے ہیں، ان کے والدین کا ڈیٹا ریکارڈ پر آجائے'۔

این پی آر میں گھر کے تمام افراد کی تفصیلات طلب کی جائیں گی اور ہر فرد کو ایک اندراج نمبر دیا جائے گا۔ سوال نمبر 9 والدین کے نام سے متعلق ہے۔ اگر والدین اس گھر میں نہیں رہتے ہیں تو Enumerator صرف ان کا نام لکھے گا۔ لیکن اگر والدین اسی گھر میں رہتے ہیں تو Enumerator ان کا اندراج نمبر سوال نمبر 9 کے جواب میں لکھے گا۔

چوں کہ 'این پی آر 2010' گھر کے ہر فرد کی تاریخ و مقام پیدائش کو نوٹ کرتا ہے، اس لئے اب اگر کوئی فرد اپنے والدین کے ساتھ رہائش پذیر ہے، تو اس کے ماں باپ کا اندارج نمبر اس کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا۔ اس طرح سے اس کے والدین کی تاریخ و مقام پیدائش خود بہ خود نوٹ ہوجائے گی۔

اگر 'این پی آر 2010' کے فارمیٹ کے مطابق اِس مرتبہ کا این پی آر کیا جائے تو جو افراد والدین کے ساتھ نہیں رہتے ہیں (یا جن کے والدین کا انتقال ہوگیا ہے) وہی اپنے والدین کی تاریخ و مقام پیدائش کا

ریکارڈ دینے سے بچ پائیں گے۔

نئے سوالات کیوں؟

وزراتِ داخلہ نے راجیہ سبھا کی Standing Committee on Home Affairs سے ایک بیان میں کہا کہ ''این پی آر 2010 میں بھی ان لوگوں کے والدین کی تاریخ ومقام پیدائش ریکارڈ کی گئی تھی جو اسی گھر میں رہ رہے تھے جس میں ان کے والدین رہ رہے تھے۔'' منسٹری نے مزید کہا ''لیکن جن کے والدین کہیں اور رہ رہے تھے یا انتقال کرچکے تھے ان کا صرف نام ہی ریکارڈ کیا گیا تھا۔ والدین کی تاریخ ومقام پیدائش کے متعلق پوچھا جانے والا سوال تو بہت مختصر سی تبدیلی ہے۔'' منسٹری نے سمجھاتے ہوئے کہا ''Back-end میں ڈیٹا کو آسانی سے جمع وترتیب دیا جاسکے، اور گھر کے تمام افراد کی تاریخ ومقام پیدائش کے ڈیٹا کو مکمل طور پر جمع کیا جاسکے، اس لیے والدین کی تفصیلات کو صراحت کے ساتھ طلب کیا جارہا ہے۔''

تبدیلی کچھ ہی لوگوں پر اثرانداز ہوگی

اگر ہم یہ بات سمجھ لیں کہ والدین کی تفصیلات کیوں طلب کی جارہی ہیں، تب ہم پر یہ بات مزید واضح ہوجائے گی کہ 2010 کے فارمیٹ کو لاگو کرنے سے کتنا معمولی اثر پڑے گا۔

'بھارتی شہریت قانون' کے مطابق، کوئی بھی شخص جو 1 جولائی 1987ء سے پہلے پیدا ہوا ہے، وہ بھارت میں پیدا ہونے کی وجہ سے بھارتی کہلائے گا، اس کے والدین کی شہریت اس کے لیے غیر ضروری ہے۔ لیکن یہ اصول ان لوگوں کے لیے بدل جاتا ہے، جو اس کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ چناں چہ جو شخص 1 جولائی 1987ء سے 3 دسمبر 2004ء کے درمیان پیدا ہوا ہے، وہ تبھی 'بھارتی' ہوسکتا ہے جب اس کے والدین میں سے کوئی ایک بھارتی شہری ہو۔ اور اگر کوئی شخص 3 دسمبر 2004ء کے بعد پیدا ہوا ہے، وہ تب ہی بھارتی ہوسکتا ہے جب اس کے والدین میں سے دونوں بھارتی ہوں یا ایک بھارتی ہو اور دوسرا غیر قانونی طور پر ملک میں نا آیا ہو۔

اس سے یہ بات پتہ چلی کہ والدین کی تفصیلات اُنھیں لوگوں کی شہریت کے لیے ضروری ہیں جو 1 جولائی 1987ء کے بعد پیدا ہوئے ہیں یعنی وہ رہائشی جو 33 سال یا اس سے کم کے ہیں۔

بھارت میں رہنے والے نابالغ لوگوں کے لیے تو یہ بات ہم مان سکتے ہیں کہ وہ والدین کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ لیکن بعض سروے رپورٹ یہ بتاتی ہیں کہ نوجوانوں کی بہت بڑی اکثریت بھی اپنے والدین کے ساتھ ہی رہتی ہے۔ بھارتی تہذیب میں زیادہ تر لوگ (کم سے کم) اپنی شادی تک والدین کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے؛ اگر کوئی شخص اپنے والدین کے ساتھ رہتا ہے، تو 2010ء کے سوالات سے ان کے والدین کا مقام وتاریخ پیدائش حاصل کیا جاسکتا ہے۔ چوں کہ 33 سال اور اس سے کم عمر کے لوگوں کی اکثریت اپنے والدین کے ساتھ رہتی ہے، اس لیے 2010 کے سوالات کے استعمال سے بھی این آر سی بنانے میں زیادہ تر شہریوں پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ (یعنی زیادہ تر لوگوں کا این آر سی بہ آسانی تیار ہوجائے گا)

NPR 2010 سے NRC ڈیٹا پر بہت کم اثر پڑے گا

اگر ہم 'شہری قوانین 2003' کو سامنے رکھیں تو 2010 اور 2020 کے این پی آر کے درمیان فرق بہت کم معلوم ہوتا ہے۔ 'شہری قوانین 2003' این پی آر اور این آر سی کے متعلق کچھ قانونی نکات طے کرتے ہیں۔ این پی آر تیار ہونے کے بعد، این آر سی بنانے کے لیے پہلا قدم یہ ہوگا کہ مشکوک شہری یعنی Doubtful Citizen کی نشان دہی کی جائے۔ پھر ان لوگوں کو اپنی شہریت ثابت کرنی پڑے گی۔ اور اگر کوئی شخص ایسا کرنے میں ناکام ہوتا ہے تو اس کا نام این آر سی میں نہیں ڈالا جائے گا۔ 'شہری قوانین 2003' اس کے متعلق کوئی ہدایت نہیں دیتے کہ کسی شخص کو مشکوک کن بنیادوں پر بنایا جائے گا اور پھر وہ اپنی شہریت کیسے ثابت کرے گا۔ اس کا اختیار مکمل طور سے مرکزی حکومت کے پاس ہے۔ چناں چہ این پی آر میں والدین کی تاریخ ومقام پیدائش کے متعلق سوالات ہٹادینے سے این آر سی ڈیٹا پر بہت کم اثر پڑے گا اور یہ کمی حکومت این آر سی کے ذریعہ پوری کرسکتی ہے۔

این پی آر 2010 کے سوالات سے حکومت کو این آر سی بنانے میں کوئی رکاوٹ نہیں آئے گی، البتہ ایسے میں حکومت کو کچھ کام زیادہ کرنا پڑے گا۔

NPR2010، NRC کے لیے استعمال ہوسکتا ہے

غور طلب یہ ہے کہ NPR2010 کا جائزہ لینے سے اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ والدین کی تاریخ ومقام پیدائش کے متعلق سوالات نہیں پوچھنے سے NRC نہیں بنایا جاسکتا۔ 'شہری

قوانین 2003‘، جو یہ بتاتے ہیں کہ NPR سے NRC کیسے بنایا جائے گا، میں والدین کے مقام وتاریخ پیدائش کے متعلق سوالات درج نہیں ہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہے کہ واجپئی حکومت، جس نے یہ قانون بنایا تھا، اس کو اعتماد تھا کہ وہ والدین کی تاریخ ومقام پیدائش پوچھے بغیر ہی NPR سے NRC بنا سکتی ہے۔ NPR 2010 کے متعلق حکومت کی طرف سے جاری Write-Up میں یہ بات واضح طور پر لکھی ہے کہ NPR کا عمل NRC بنانے کی طرف پہلا قدم ہے۔ ایک اور مقام پر اس میں لکھا ہے کہ ”NPR کی تفصیلات کی تصدیق کر کے ہر فرد کی شہریت قائم کر لی جائے گی (پھر NRC تیار کر لیا جائے گا)۔ اس لیے NRC، NPR کا ایک حصہ ہوگا۔“ اس سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ منموہن حکومت نے جب NPR کے متعلق یہ Write-up تیار کیا تھا اس وقت اس کو پتہ تھا کہ وہ والدین کی تاریخ ومقام پیدائش کے بغیر ہی NRC تیار کر سکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس مرتبہ ہونے والے NPR سے والدین کی تاریخ ومقام پیدائش سے متعلق سوالات ہٹا دینے سے اور NPR 2010 کا فارمیٹ استعمال کرنے سے مرکزی حکومت کو NRC بنانے سے باز نہیں رکھا جا سکتا۔

(بہ شکریہ scroll.in)

نصاب برائے رمضان المبارک (۱۴۴۱ھ)

عن قریب ہم لوگ ایک بڑے ہی بابرکت مہینے میں داخل ہونے والے ہیں۔ اگر ہم اس رمضان کو اپنے لئے مفید و ذریعۂ نجات بنانے کی خاطر مندرجہ ذیل سورہ، حدیث اور لٹریچر کا مطالعہ کریں تو بہتر ہوگا:

تلاوت قرآن : مکمل قرآن

انفرادی مطالعۂ قرآن : جس سورہ کا مطالعہ جاری ہے اس میں سے کم از کم ۵ رکوع کا مطالعہ کریں۔

اجتماعی مطالعۂ قرآن : سورۂ محمد (مکمل)

کتاب برائے محسن : رودادِ ابتلاء (احمد رائف)

کتاب برائے ممبر : انسانیت موت کے دہانے پر (مولانا آزاد)

ہدایات

☆ تکبیر اولیٰ کے ساتھ نمازوں کا اہتمام کریں۔ ☆ تراویح ایسی مسجد میں ادا کریں جہاں پر قرآن مجید کی تلاوت ترتیل کے ساتھ کی جاتی ہو۔ خلاصۂ تراویح پیش کرنے کا بھی اہتمام کریں۔

☆ رمضان کا دیا گیا نصاب رمضان میں ہی مکمل کر لیں۔ ☆ اپنی تربیت پر خصوصی توجہ دیں۔

☆ دیگر تمام مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر نفلی عبادتوں کا اہتمام کریں۔ ☆ انفرادی و اجتماعی افطار میں سادگی کا خاص اہتمام کریں۔ ☆ اپنے اوقات عبادات، ذکر، تعلق باللہ و دینی کاموں کے لیے فارغ کر لیں اور اس کے لیے پہلے سے پلاننگ کر لیں۔ ☆ اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ دعوتِ افطار وغیرہ کے سبب ہماری عبادتیں بالکل متاثر نہ ہوں۔ ☆ فضول ولغو باتوں سے دور رہیں۔ سوشل میڈیا کا استعمال نہ کے برابر کریں۔ ☆ سیاسی افطار سے مکمل طور پر اجتناب کریں۔ ☆ طاق راتوں کے اجتماعی مطالعۂ قرآن کے لئے پوری سنجیدگی کے ساتھ تیاری کریں۔ ☆ طاق راتوں کے علاوہ بھی مطالعۂ قرآن کی نشستوں کا اہتمام کریں۔ ☆ طاق راتوں میں اجتماعیٔ مطالعۂ قرآن سحر کے آخری وقت سے ڈیڑھ دو گھنٹہ قبل ضرور مکمل کر لیں تاکہ انفرادی عبادت اور سحور متاثر نہ ہو۔ ☆ تجوید وحفظ قرآن کے حلقوں کا اہتمام کریں۔ ☆ خاص دعاؤں کا اہتمام کریں، قنوتِ نازلہ کو حفظ کر لیں۔ وتر یا فجر میں اس کے پڑھنے کا اہتمام کریں۔ ☆ امتِ مسلمہ بالخصوص شام، فلسطین، عراق، مصر، یمن، کشمیر، برما وغیرہ کے مظلوم مسلمانوں کے لیے خصوصی دعاؤں کا اہتمام کریں۔ ☆ اخیر عشرہ میں وقت فارغ کر کے اعتکاف کا بھی اہتمام کریں لیکن امیر کی اجازت کے بعد۔ ☆ ہر عشرہ کے اخیر میں اپنے اعمالِ صالحہ وغیر صالحہ کا احتساب کریں۔

ایک قیدی کا خط

”قیدی اپنی اہلیہ سے مخاطب ہے“

ڈھاکا سینٹرل جیل

(۲۴ رمضان ۱۳۸۴ھ ۹ رفروری ۱۹۶۴ء)

(خرم مراد [1996-1932ء] 20 شعبان 1383ھ - 6 جنوری 1964ء کو گرفتار کر کے ڈھاکا سنٹرل جیل، بنگلہ دیش بھیج دیا گیا۔ جیل میں انھوں نے اپنی اہلیہ کے نام کئی خطوط لکھے، جو ہمارے لئے اور ہماری بہنوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔ انھیں میں سے ایک خط یہ ہے جو دورانِ رمضان انھوں نے لکھا۔ رمضان کی مناسبت سے اس شمارہ میں اسے شائع کیا جارہا ہے: ادارہ)

ڈھاکا سنٹرل جیل

۲۴ رمضان ۱۳۸۴ھ - ۹ رفروری ۱۹۶۴ء

رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدتَّهُمْ وَمَن صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ

اے ہمارے مالک! ان بندوں کو ان باغات میں رکھ جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا تھا، اور ان کے ساتھ ان کے والدین اور بیویوں اور اولاد میں سے جس نے نیکی کا راستہ اختیار کیا۔ (مومن: ۸)

خدا کی سلامتیاں اور رحمتیں!

تمہارا 31 جنوری کا لکھا ہوا خط 7 فروری کو مل گیا، کافی جلدی ہی ملا۔ تم اگر اسی طرح صبر سے جمی رہو تو ان شاء اللہ تمھارے لیے اتنا ہی اجر ہے، بلکہ اس سے زیادہ، جتنا میرے لیے ہے، کیونکہ تمہاری آزمائش مجھ سے زیادہ سخت ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میں اپنے خدا سے پر اُمید بھی ہوں اور ڈر بھی لگتا ہے۔ ویسے اب تمھیں خود شاید احساس ہوگا کہ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ [الرعد: 28] اللہ کی یاد میں دل کی اطمینان کی دولت پاتے ہیں، کے کیا معنی ہیں۔ اللہ کی اطاعت اور شریعت کی پابندی کے ساتھ یہ یقین کہ نفع ونقصان اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، جتنا حاصل ہوجائے، اتنا ہی ایمان و احسان کا درجہ بلند ہوگا۔ یہ خلاصہ ہے، تمام اخلاقی صفات کا۔ اسی لیے خود اللہ نے بھی بندے اور خدا کا تعلق جب سمیٹ کر دو فقروں میں بیان کیا تو یہی فرمایا: إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ یعنی ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ تمام اختیارات، نفع ونقصان کا سرچشمہ تو ہی ہے۔ بس اسی کے حصول کی کوشش کرو، تو یہاں سے لے کر وہاں تک تمام منازل درست ہوجائیں گی۔

اگر یہاں خدا کی بندگی اور استعانت کا تعلق درست رکھا، تو موت کے ساتھ خدا سے تعلق کٹ نہیں جائے گا، بلکہ اور بڑھے گا۔ اس لیے قبر کی کوٹھری سے لیکر میدان حشر اور پل صراط تک وہ ہماری استعانت کا جواب دے گا، بشرطیکہ یہاں ہم نے اس کا حق میں کسی کو شریک نہیں کیا ہو۔ اگر دنیا کے جھوٹے سہاروں سے آسرا لگایا، تو جو بوئیں گے، وہی کاٹنا پڑے گا اور کہہ دیا جائے گا کہ اب انہی کو پکارو جن سے دنیا میں توقعات وابستہ کی تھیں: هَلْ يَنصُرُونَكُمْ أَوْ يَنتَصِرُونَ [الشعراء: 93] کیا وہ تمہاری مدد کریں گے یا اپنی حفاظت کریں گے۔

بچوں کو یہ باتیں اچھی طرح سمجھنا چاہئیں، خاص طور پر یہ کہ ہمارا جرم کیا ہے؟

یہی کہ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ جس نے پیدا کیا ہے، وہی ہمارا مالک اور حاکم ہے، اور اسی کا حکم چلنا چاہیے، اور اسی قانون کے مطابق سب انسانوں کو ان کا حصہ ملنا چاہیے۔

اب جو اپنا حکم چلانا چاہتا ہے اور اپنے حصّہ سے زیادہ مارنا چاہتا ہے، وہ ہم سے لڑ پڑتا ہے، اور اس کو یہ بات بالکل پسند نہیں کہ ہم اپنے اللہ کو یاد کر سکیں۔

پھر اپنے بچوں کو اچھے اخلاق اور جہاد کے قصے سناؤ۔ ان کے دل سے دنیا کی محبت اور موت کا خوف نکالو، کہ یہی وہ کمی ہے جس کی وجہ سے آج ساٹھ کروڑ مسلمان دنیا میں خشک پتوں کی طرح اڑے اڑے پھرتے ہیں۔ غالب ہواؤں نے جس طرف اُڑا دیا، اسی طرف اُڑ گئے۔ اس لئے کے یہ تو ابھی کشمکش کا آغاز ہے، آئندہ کا حال خدا ہی جانتا ہے کہ کن کن مراحل سے گزرنا ہے۔ ابھی صرف جھڑپیں ہو رہی ہیں، باقاعدہ مبارزت شروع نہیں ہوئی ہے۔

میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔ رمضان المبارک کا آخری عشرہ اچھا ہی گزر رہا ہے۔ اگرچہ نیند کے مسئلہ نے کافی پریشان کیا ہے۔ دن میں کسی طرح گہری نیند نہیں آتی، دو گھنٹے بھی نہیں۔ بس آنکھیں بند کیے لیٹا رہتا ہوں۔ پھر رات کو خوب آتی ہے اور پریشان کرتی ہے۔

15 اپریل کو 3 ماہ پورے ہو جائیں گے۔ اس سے پہلے معاملہ نظر ثانی بورڈ کے سامنے جائے گا اور اس سے رائے لینا ہوگی۔ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہے تو اسی طرح ملاقات ہو جائے گی، ورنہ جیسی اس کی مرضی۔

اچھا اب خدا حافظ۔ طبیعت کافی تھکی تھکی سی تھی، اس لیے آخری وقت میں خط لکھنے بیٹھا۔

ہر ہفتے چار خط لکھ سکتے ہیں۔ اگر کسی ہفتے نہ لکھیں تو اس کے بدلے اگلے ہفتہ نہیں لکھ سکتے۔

بچوں کو خوب خوب دعا پیار۔ احمد کو بتا دینا کہ ابو آرام سے ہیں۔

خرم

روایتی سِم سے چھٹکارا

ای سِم کے نام سے نئی ٹیکنالوجی متعارف

منیر عقیل انصاری

سام سنگ نے آئی فونز کی طرح اپنے نئے ماڈلوں گیلیکسی ایس 20 اور گیلیکسی زیڈ فلپ میں ای سِم کے نام سے نئی ٹیکنالوجی متعارف کرانے کا اعلان کیا ہے، تاہم ہر ماڈل کے لیے ای سِم مختلف کام کے لیے ہو سکتی ہے۔ یعنی آئی فون 11 اور گیلیکسی ایس 20 کے لیے ای سِم کی بدولت ایک ہی فون پر دو رابطہ نمبر رکھے جا سکتے ہیں۔

ایک عرصے سے ہم پلاسٹک کے سِم کارڈ استعمال کر رہے ہیں جو مختلف کمپنیوں نے نیٹ ورک سے ہمیں جوڑے رکھتا ہے۔ اگرچہ ای سِم عین اسی اصولوں پر کام کرتے ہیں لیکن روایتی سِم کی بجائے یہ آپ کے اپنے فون کا اندرونی حصہ ہوتی ہے۔

اگرچہ سِم کے بغیر ہم دوسرے اسمارٹ فون سے رابطہ نہیں کر سکتے لیکن فون ماہرین کے مطابق روایتی سِم کو تبدیل کرنا بہت ضروری تھا۔

ای سِم کیا ہے؟ ای سِم ''ایمبیڈڈ سبسکرائبر آئڈینٹیٹی ماڈیول'' کا مخفف ہے جو ایک چھوٹی برقی چپ ہوتی ہے اور عین پلاسٹک سِم کی طرح کام کرتی ہے۔ لیکن اسے بار بار پروگرام اور ری پروگرام کیا جا سکتا ہے، اس طرح یہ ایک ہی وقت میں کئی طرح کی سیل فون کمپنیوں سے منسلک ہو جاتی ہے۔ یعنی ایک فون پر آپ دو نمبر بھی رکھ سکتے ہیں۔ اس کے لیے بار بار سِم بدلنے یا فون کے آپشن کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

اس کی اہم وجہ یہ بھی ہے کہ سِم کارڈ فون کے اندر بہت جگہ گھیرتی ہے جسے دیگر اہم کاموں اور فنکشن کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کی جگہ بڑی بیٹری لگائی جا سکتی ہے، پروسیسر اچھا بنایا جا سکتا ہے یا پھر کوئی اور آپشن بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔

لیکن پوری دنیا میں ای سِم کے لیے مناسب سہولیات اور ٹیکنالوجی موجود نہیں خصوصاً پاکستان میں کسی سِم کو ری پروگرام کرنے کی کوئی سہولت موجود نہیں اور نہ ہی اس کے لیے سافٹ ویئر اور ہارڈ ویئر دستیاب ہیں، لیکن ای سِم کی بدولت صرف ایک ٹچ سے آپ ایک فون سروس سے دوسری سروس تک جا سکتے ہیں۔ لیکن لگتا یہ ہے کہ اسے امریکی مارکیٹ کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ اس سے قبل ایپل اپنے کئی آئی فون ماڈل میں ای سِم پیش کر چکا ہے۔

ابوالفیض

لیڈر

بچوں کے نئے تعلیمی سال کا آغاز ہو چکا تھا،لیکن گرمی کی چھٹیاں ابھی شروع نہیں ہوئی تھیں۔تمام بچے (راشد،ارشد،ارقم اور خنساء) صبح کو اسکول جاتے،شام کو واپس آتے،پھر ہوم ورک اور ٹیوشن میں ان کا پورا دن گزر جاتا تھا۔نہ انہیں کھیلنے کی فرصت ملتی اور نہ ہی دادی سے کہانی سننے کی۔فوزان بے چارہ اکیلا پریشان ہو جاتا کبھی دادی کے پاس بیٹھ کر ان کے تخت کے چاروں طرف لکڑیوں اور انگلیوں کے ذریعہ گھیرا بناتا تو کبھی امی کے کمرے میں آ کر توڑ پھوڑ کرتا۔جس کی وجہ سے وہ ہر وقت کسی نہ کسی کی ڈانٹ سنتا تھا۔سارے بچے جب شام کو ٹیوشن وغیرہ سے فارغ ہو کر گھر پہنچتے تب تک سونے کا وقت ہو جاتا۔سب اپنے اپنے کمروں میں واپس چلے جاتے تھے۔وقت نہ ملنے کی وجہ سے سارے بچے جمعہ کے روز کا انتظار کرتے تاکہ وہ اس دن خوب کھیلیں اور رات میں دادی سے کہانی سنیں۔دادی بے چاری ایک جگہ بیٹھے بیٹھے پریشان ہو جایا کرتی تھیں۔انہیں بھی بچوں سے دل چسپی تھی۔بچے جب ان کے پاس پہنچتے تو وہ خوش ہو جایا کرتی تھیں۔

جمعرات کے روز دادی کی طبیعت کچھ خراب ہوگئی تھی،لیکن دادی نے یہ طے کرلیا تھا کہ آج وہ بچوں کو کہانی ضرور سنائیں گی۔ بچے جب رات میں دادی کے پاس پہنچے اور انہیں سلام کیا۔دادی انہیں دیکھ کر کراہتے ہوئے اٹھیں اور ہلکی آواز میں ان کے سلام کا جواب دیا۔بچے سمجھ گئے تھے کہ آج دادی کی طبیعت خراب ہے اس لیے انہوں نے کہانی سننے کی ضد نہیں کی۔تھوڑی دیر تک دادی کے ارد گرد خاموشی رہی پھر دادی نے ہی بچوں سے کہا! کیا آج تمہیں کہانی نہیں سننی ہے؟ خنساء نے کہا دادی ہمیں کہانی سننی ہے لیکن آپ بیمار ہیں۔دادی نے مسکراتے ہوئے کہا نہیں نہیں میں ٹھیک ہوں۔بس آج کھانسی زیادہ آنے لگی تھی۔بچوں نے جب یہ سنا تو بہت خوش ہوئے۔خنساء نے دادی سے کہا کہ آج آپ اپنے من سے کوئی کہانی سنائیں ہم آپ سے فرمائش نہیں کریں گے۔دادی نے کہا: بچو! آج میں تمہیں ایک لیڈر کی کہانی سناؤں گی۔ابھی کہانی شروع نہیں ہوئی تھی کہ فوزان نے دادی سے پوچھ لیا۔دادی! لیڈر کسے کہتے ہیں۔دادی نے پہلے بچوں کی طرف دیکھا اور خنساء سے پوچھا لیڈر کسے کہتے ہیں؟ خنساء نے جواب دیا: 'لیڈر اسے کہتے ہیں جو گاؤں میں لوگوں کا کام کرواتا ہے اور چناؤ بھی لڑتا ہے۔جیسے ہمارے گاؤں کے پردھان عبداللہ چچا لیڈر ہیں۔' خنساء کی بات پوری ہوگئی تو دادی نے بتایا: 'لیڈر اسے کہتے ہیں کہ جو قوم کا سچا خادم ہو،اپنے ذاتی نفع ونقصان کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا ہو بلکہ اپنی قوم،دین اور ملت کی بھلائی اس کے لیے سب سے زیادہ اہم ہو۔ وہ ہمیشہ سچ بولتا ہے اور حق کا ساتھ دیتا ہے۔اسے کسی کے ووٹ اور اپنی تعریف کی پرواہ نہیں ہوتی ہے۔وہ صرف اور صرف اللہ تعالی کی ناراضگی سے ڈرتا ہے اور اس کے حکموں پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔' ارقم نے یہ سنتے ہی کہا دادی ایسا تو ہمارے پاس کوئی بھی لیڈر نہیں ہے۔دادی نے مسکراتے ہوئے کہا ہمارا صرف ایک ہی لیڈر ہے جو رہتی دنیا تک کے لیے لیڈر ہے۔جانتے ہو وہ کون ہے؟ بچوں نے ایک زبان ہو کر کہا: ہاں! جناب محمد ﷺ۔

دادی نے پھر کہانی شروع کی۔بہت پرانے زمانے کی بات ہے۔ایک گھنا جنگل تھا اس میں تمام طرح کے جانور؛شیر،چیتا،بندر،بھالو،ہاتھی وغیرہ رہتے تھے۔اس میں ایک لومڑ بھی رہتا تھا،جو تمام لومڑ اور لومڑیوں کا سردار بھی تھا۔ایک دن وہ شکار کی تلاش میں اپنی گپھا سے باہر کہیں دور دراز علاقے میں پہنچ گیا اور وہ خود شکاریوں کے ہاتھ لگ گیا۔شکاریوں نے اسے کچھ اس طرح سے باندھ دیا تھا کہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنے میں اس نے اپنی دُم گنوادی۔شام کے وقت جب وہ اپنی گپھا کے قریب پہنچا تو اسے کٹی دم کی وجہ سے شرم آنے لگی۔ وہ سوچنے لگا کہ باقی لومڑ اور لومڑیوں کے ساتھ وہ کیسے رہے گا؟ اسے ایک ترکیب سوجھی اور اس نے دوسرے روز سارے لومڑ اور لومڑیوں کو جمع کیا اور انہیں قائل کرنے کی کوشش کی کہ سب اپنی اپنی دم کاٹ لیں۔اس میں نہ تو کوئی حرج ہے اور نہ ہی خوب صورتی کم ہونے کا ڈر ہے۔کچھ سمجھ دار لومڑ اور لومڑیوں نے اس کے ناپاک ارادے کو بھانپ لیا۔چناں چہ اس سے کہا: اے میرے بھائی! تم کیوں اپنے آپ سے لیڈر بننا چاہتے ہو؟ اگر تم نے کسی وجہ سے اپنی دم ضائع کردی ہے تو کیوں دوسروں کو اس پر قائل کرنے کی کوشش کررہے ہو کہ وہ بھی اپنی دم گنوادیں۔ایسے فضول کام ہم سے نہیں ہوں گے۔اتنا کہتے ہوئے سب نے اس کی مخالفت شروع کردی،بس کیا تھا۔پھر وہ اپنا منہ چھپا کر وہاں سے بھاگ نکلا۔

دادی نے اس کے بعد بچوں سے کہا اگر کہانی کا مطلب سمجھ میں آ گیا ہے تو کمرے میں جا کر سو جاؤ،نہیں تو میں تمہیں مطلب بھی بتادوں۔بچوں نے ایک زبان ہو کر کہا ہمیں کہانی کا مطلب بھی سمجھا دیں۔دادی نے کہا: اس کہانی میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالی نے کسی کو اپنی قوم کی رہ نمائی کرنے کی صلاحیت دی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ذاتی فائدے کے لیے نہیں بلکہ قوم وملت کے فائدے کے لیے کام کرے،چاہے اس میں اس کا نقصان ہی کیوں نا ہو۔ساتھ ہی ہمیں یہ چیز بھی سیکھنے کو ملتی ہے کہ اگر کوئی بھی اجتماعی یا انفرادی طور پر کوئی غلط کام کرنے کو کہے تو دوسروں کو چاہیے کہ وہ اسے غلط کام سے روکیں اور اس کی اصلاح کریں۔حضرت ابوبکر صدیقؓ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو انہوں نے عوام سے یہی کہا تھا کہ آپ میری اس وقت تک اطاعت کریں جب تک میں سیدھے راستے پر چلنے کا حکم دوں۔جب میں غلطی کروں تو ہر کسی کو یہ اختیار ہے کہ وہ مجھے ٹوک دے اور اس وقت تک میری اطاعت نہ کرے جب تک میں سیدھے راستے پر نہ آجاؤں۔اتنا سننا تھا کہ سارے بچوں کے چہرے پر خوف چھا گیا کہ 'لیڈر شپ بہت بڑی ذمہ داری ہے اور سب ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھتے ہوئے اپنے اپنے کمروں کو چلے گئے۔

ثقافت کی تلاش

نسیم حجازی

گذشتہ سے پیوستہ
منظر ۸

کامریڈ ۱۰: ونڈر فُل کامریڈ! ونڈر فُل! لیکن میں تمہاری اصلاح کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ تم یہ کہتے ہو کہ جب چودھری ہیروئن کی مدد کے لیے دریا میں کُودتا ہے تو ڈھول میں پھنسا ہوا ہیرو انتہائی اطمینان کے ساتھ اپنے مطالبات پیش کرتا ہے۔ میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ ڈھول میں جکڑے ہوئے انسان کو تین فٹ پانی کے اندر بھی اپنا ہوش نہیں رہتا اور دریا کے اندر تو باتیں کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ دریا اگر خشک نہیں تھا تو تمہارے ہیرو کو آنکھ جھپکنے میں ڈوب جانا چاہیے تھا۔ ہیروئن خواہ کتنی اچھی پیراک کیوں نہ ہو، ڈھول میں جکڑے ہوئے ہیرو کی کوئی مدد نہیں کرسکتی۔

کامریڈ ۹: کامریڈ! میں نے اپنی کہانی کا ایک سرسری خاکہ پیش کیا ہے۔ اس میں رنگ بھرتے وقت میں پوری حقیقت پسندی سے کام لینے کی کوشش کروں گا۔ مثلاً تمہاری اُلجھن دور کرنے کے لیے میں یہ اضافہ کرسکتا ہوں کہ دریا میں ایک شہتیر بہتا آرہا ہے اور لڑکی ایک ہاتھ سے ڈھول کی رسّی اور دوسرے ہاتھ شہتیر پکڑ لیتی ہے۔۔۔۔ ابھی میں نے یہ فیصلہ بھی نہیں کیا کہ اس کہانی کا اختتام کیسا ہوگا۔ ممکن ہے کہ میں اُسے زیادہ مؤثر بنانے کے لیے ٹریجڈی میں بدل دوں۔ ٹریجڈی کی صورت میں آخری سین یہ ہوگا کہ ہیرو ڈوب جاتا ہے اور گاؤں کے لوگ ہیروئن کو دریا سے نکال لیتے ہیں لیکن وہ اس صدمے سے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتی ہے۔ لوگ ہیرو کی لاش کو دریا سے نکال کر کنارے پر دفن کردیتے ہیں اور لڑکی گاؤں واپس جانے کی بجائے وہیں ڈیرا ڈال دیتی ہے۔ اپنے محبوب کی قبر پر ناچنے اور گانے کے سوا اس کا کوئی مشغلہ نہیں۔ چودھری اس کی حالت پر ترس کھا کر اُسے قبر کے ساتھ ایک کٹیا تعمیر کردیتا ہے۔ لوگ ہیرو کی قبر کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور لڑکی کو نذرانے پیش کرتے ہیں۔ پھر ہر سال وہاں ایک باقاعدہ میلہ لگتا ہے، جس میں شاندار ثقافتی مظاہرے ہوتے ہیں۔

کامریڈ ۱۰: کامریڈ! اس مسئلہ پر ہم بعد میں بحث کریں گے کہ اس کہانی کا انجام کامیڈی ہونا چاہیے یا ٹریجڈی۔ سَر دست تمہارے لیے اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ تم اس لڑکی کے کردار کا اچھی طرح مطالعہ کرلو جس کی سرگزشت سے متاثر ہو کر تم یہ کہانی لکھنا چاہتے ہو۔ میری مُراد ریشماں سے ہے۔ اگر ریشماں تمہیں یہ بتانے پر آمادہ ہوجائے کہ ایک دیہاتی رومان کی ہیروئن کو کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے تو تم اس کہانی کو بے حد دلچسپ بنا سکو گے۔ اس سفر میں ہمیں یہ تلخ تجربہ ہو چکا ہے کہ ہم نے فلموں میں جو دیہاتی رومان دیکھے ہیں، اُن کا حقیقی زندگی کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اگر تم نے حقیقت نگاری سے کام نہ لیا تو تمہارا ناول ناچ اور گانے کی حمایت میں ایک گھٹیا قسم کا پروپیگنڈا پمفلٹ بن کر رہ جائے گا اور اس کے خلاف دیہاتی لوگوں کا ردِّعمل اسی قدر شدید ہوگا جتنا کہ آج ہم نے اپنے بھنگڑا ناچ کے خلاف دیکھا ہے۔ ناول کو مؤثر بنانے کے لیے تمہیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ تم دیہاتی زندگی سے پوری واقفیت رکھتے ہو اور یہ باتیں تمہیں ریشماں سے زیادہ اور کوئی نہیں بتا سکتا کہ دیہاتی رومان کس طرح پروان چڑھتے ہیں۔ وہ تمہارے ساتھ کافی مانوس ہو چکی ہے۔ اگر تم ذرا ہوشیاری سے کام لو تو اس سے انتہائی کارآمد معلومات حاصل کرسکتے ہو۔ ان معلومات کے ساتھ تمہاری کہانی جس قدر دلچسپ ہوگی، اُسی قدر ثقافت کے پروپیگنڈا کا مؤثر ذریعہ ثابت ہوگی۔ تمہارا اوّلین مقصد ریشماں کے جذبات کی صحیح تصویر پیش کرنا ہے۔ بچپن میں وہ اپنے مستقبل

کے متعلق کیا سوچتی ہے۔ جوانی میں وہ کس قسم کے سپنے دیکھتی ہے۔ جب پہلی بار ایک نوجوان نے اس کی طرف گھور کر دیکھا تھا تو اُس کا ردِّ عمل کیا تھا۔ اُس نے مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا تھا یا بھاگ کر کسی کالی ڈانگ والے بھائی کو مدد کے لیے بُلا رہی تھی۔ وہ پہلی ملاقات میں کھل گئے تھے یا کئی ملاقاتوں کے بعد بھی ایک دوسرے کو اپنے دل کا حال بتانے سے اجتناب کرتے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ ریشماں سے اس قسم کی معلومات حاصل کرنے کے بعد تم اپنی کہانی بے حد دل چسپ بنا سکو گے اور یہ کہانی جس قدر دل چسپ ہوگی اُسی قدر کامیابی کے ساتھ تم ثقافت کا پروپیگنڈا کر سکو گے۔

کامریڈ9: بھئی تم نے پورے جوش وخروش کے ساتھ تقریر شروع کر دی ہے اور وہ لوگ ساتھ والے کمرے میں سو رہے ہیں۔

(ریشماں ساتھ والے کمرے سے نمودار ہوتی ہے اور کامریڈ بدحواس ہو کر اُس کی طرف دیکھتے ہیں۔)

ریشماں: مَیں سو نہیں رہی تھی بلکہ تمہاری باتیں سُن رہی تھی۔

کامریڈ9: تشریف رکھیے کامریڈ ریشماں! اگر تمہیں ہماری باتوں سے کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے تو ہم اُسے دُور کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں اپنے ساتھی کو بتا رہا تھا کہ میں نے ایک کتاب لکھنے کا فیصلہ کیا ہے اور میرے اس فیصلے کی وجہ یہ ہے کہ میں دنیا کے سامنے تمہارا کردار پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس ملک کے رجعت پسندوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم نے جس سیلاب کا بند کھولا ہے، وہ اُن کے دقیانوسی خیالات کو خس وخاشاک کی طرح بہا لے جائے گا۔ اب رات گزر چکی ہے اور ایک نئی صبح کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔

ریشماں: جی رات تو ابھی آدھی بھی نہیں گزری۔ تم سیدھی بات کہو کہ میں بے وقوف یا پاگل ہوں۔

کامریڈ9: کامریڈ! میں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ تم بے وقوف ہو۔

ریشماں: اب مکرنے کی کوشش مت کرو۔ تم اپنے ساتھی کو یہ سمجھا رہے تھے کہ مجھے برے بھلے کی تمیز نہیں۔ میں پاگلوں کی طرح رات کے وقت اکیلی کھیتوں میں ناچا کرتی تھی۔ گاؤں کا چودھری میرے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا اور میں کسی ڈھول بجانے والے مشٹنڈے کے پیچھے بھاگتی پھرتی تھی۔ آخر میں نے امام دین کا کیا بگاڑا تھا کہ اُس نے میرے متعلق اس قسم کی افواہیں اُڑانی شروع کر دی ہیں۔ رات کے وقت سرسوں کے کھیت میں ایک پاگل کے سوا کون ناچ سکتا ہے۔ ناچنا اور گانا ہمارا پیشہ ہے لیکن یہ پیشہ کسی مشٹنڈے کو خوش کرنے کے لیے نہیں بلکہ اپنا پیٹ پالنے کے لیے اختیار کیا تھا۔۔۔ یہ کتنا جھوٹ ہے کہ میں رات کے وقت کھیتوں میں کسی آوارہ آدمی سے باتیں کیا کرتی تھی۔ تم یہ کہہ رہے تھے کہ میں اُسے بچانے کے لیے دریا میں کود پڑی تھی حالاں کہ دریا ہمارے گاؤں سے کوسوں دُور ہے۔

کامریڈ10: کامریڈ ریشماں! آپ تشریف رکھیں ہم آپ کے ساتھ اطمینان سے بات کریں گے۔

(ریشماں ذرا ایک طرف ہو کر بیٹھ کر جاتی ہے۔)

کامریڈ ریشماں! میرا ساتھی ایک ناول یعنی کہانی لکھ رہا ہے اور ہر ناول یا کہانی کے بعض واقعات فرضی ہوتے ہیں۔ تمہیں اس بات پر خفا نہیں ہونا چاہیے۔

ریشماں: اگر تمہارا مقصد مجھے بدنام کرنا ہوتا تو میں اعتراض نہ کرتی۔ ہمارا پیشہ ہی ایسا ہے کہ لوگ ہم سے نفرت کرتے ہیں۔ لیکن تم ہمارے ساتھ ایک شریف آدمی کو کیوں بدنام کرتے ہو۔

کامریڈ9: وہ شریف آدمی کون ہے جسے ہم نے بدنام کیا ہے۔

ریشماں: چودھری نُور دین اور کون؟ تم یہ کہہ رہے تھے کہ وہ میرے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے انکار کر دیا تھا۔ میں حیران ہوں کہ امام دین کو ایسی افواہیں اُڑانے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ میں قسم کھانے کے لیے تیار ہوں کہ جب تک میں وہاں تھی چودھری نور دین نے میری طرف کبھی آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا تھا۔ وہ ہماری گلی سے بھی کبھی نہیں گزرتا تھا۔ بیس بائیس سال کی عمر میں اُس کی بیوی فوت ہوگئی تھی اور علاقے کے ہر اچھے خاندان سے اُسے رشتہ ملتا تھا لیکن وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس کی بیوی لاکھوں میں ایک تھی۔ اُسے فوت ہوئے تین سال ہو چکے ہیں لیکن اُس نے ابھی تک دوسری شادی نہیں کی۔ اُسے صرف اپنے اکلوتے بچے کے ساتھ دل چسپی ہے جسے وہ ہر وقت اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے۔ میں سچ کہتی ہوں کہ اُس نے میری طرف گھور کر بھی نہیں دیکھا۔

کامریڈ10: کامریڈ ریشماں! ہمارا مقصد تمہاری عزت افزائی ہے، چودھری نور دین کی توہین نہیں۔ ہم دنیا کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تم عام لڑکیوں سے مختلف ہو۔ تمہاری زندگی کا ایک مقصد ہے

اوراس مقصد کی تکمیل کے لیے تم بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی ہو اوراس سے بڑی قربانی اور کیا ہوسکتی ہے کہ تمہاری زندگی میں دو آدمی آتے ہیں۔ ایک وہ غریب نوجوان ہے جو محبت کے آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں دے سکتا۔لوگ اُسے حقیر سمجھتے ہیں لیکن تم اپنی زندگی کے اعلیٰ اورارفع مقاصد کی تکمیل کے لیے اُس کی رفاقت ضروری سمجھتی ہو۔۔۔۔دوسرا چودھری نوردین جو اپنی دولت کے بَل بوتے پر تمہیں ہرطرح کا آرام عیش مہیا کرسکتا ہے لیکن تم اُسے خاطر میں نہیں لاتیں۔

ریشماں: یہ بالکل جھوٹ ہے۔تم صرف یہ ثابت کرنا چاہتے ہوکہ میں بالکل بے وقوف ہوں۔ خدا کے لیے میرا مذاق نہ اُڑاؤ۔میں سچ کہتی ہوں کہ چودھری نوردین نے میری طرف کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

کامریڈ9: کامریڈ! اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مجھے یقین ہے کہ چودھری نوردین صبح شام تمہارے دروازے پر کھڑا رہتا اور تمہیں پہروں گھور گھور کر دیکھتا تو بھی تم اس غریب نوجوان کو ترجیح دیتیں جو اپنی تمام کوتاہیوں کے باوجود رقص اور موسیقی کے ساتھ لگاؤ رکھتا تھا۔

ریشماں: میں اُس کے سر پر جوتے بھی نہ مارتی۔اگر نوردین میری طرف صرف ایک نظر دیکھ لیتا تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے اپنا گاؤں چھوڑنے پر مجبور نہ کرسکتی۔

کامریڈ9: تم اس کے گھر کی چاردیواری میں ایک قیدی کی زندگی بسر کرنا قبول کرلیتیں؟

ریشماں: میں اُس کے صحن میں جھاڑو دیتے وقت بھی یہ محسوس کرتی کہ میں ایک مہارانی ہوں۔

کامریڈ10: یہ غلط ہے ریشماں! تم وہاں کبھی خوش نہ رہتیں۔ ایک آرٹسٹ کے لیے زندگی کی سب سے بڑی نعمت آزادی ہے اور تم ایک عظیم آرٹسٹ ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہارے ذہن پر ابھی تک رجعت پسندی کا قبضہ ہے۔

ریشماں: (بھرّائی ہوئی آواز میں) میں ایک عورت ہوں۔ ایک بے بس ڈوم کی بیٹی ہونے کے باوجود میں ایک عورت ہوں (ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کر سسکیاں لیتی ہے)

کامریڈ10: کامریڈ ریشماں! میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر چودھری نوردین واقعی تمہارے لیے اپنے گھر کے دروازے کھول دے تو تم اُس سے یہ مطالبہ نہیں کروگی کہ اگر تم میری رفاقت چاہتے ہو تو تمہیں آرٹ اور کلچر یعنی ناچ اور گانے کی مہم میں میرا ساتھ دینا پڑے گا؟

ریشماں: تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں شیطان کی بیٹی ہوں اور میرا کام لوگوں کو غلط راستے پر ڈالنا ہے؟

کامریڈ9: نہیں! نہیں! میرا مطلب یہ نہیں ریشماں! بات دراصل یہ ہے کہ تم نے کبھی اپنا نفسیاتی تجزیہ نہیں کیا۔

ریشماں: وہ کیا ہوتا ہے؟

کامریڈ9: میرا مطلب یہ ہے کہ تمہیں ابھی تک یہ معلوم نہیں کہ تم کیا چاہتی ہو۔تم ایک فن کار ہو اور تمہیں اپنے فن یعنی گانے بجانے سے محبت ہے لیکن بدقسمتی سے تم نے ایک ایسے ماحول میں پرورش پائی تھی جہاں اس مقدس فن کو بے حیائی سمجھا جاتا ہے۔اس لیے تم ایک ذہنی الجھن میں مبتلا ہو۔ کبھی تم پر رجعت پسند سوسائٹی کا خوف سوار ہوتا ہے تو تمہارا دل اس فن کے خلاف نفرت سے بھر جاتا ہے اور کبھی تم ایک حقیقی آرٹسٹ کی نگاہوں سے اپنے گردوپیش کا جائزہ لیتی ہو تو تمہیں اپنے فن کی عظمت کا احساس ہونے لگتا ہے۔

ریشماں: میں ہمیشہ یہ سوچتی ہوں کہ میں ایک ڈوم کی بیٹی ہوں اور مجھے صرف اپنا پیٹ پالنے کے لیے ناچنا پڑتا ہے اور ہر آدمی، خواہ وہ بھانڈ ہی کیوں نہ ہو، میرا مذاق اُڑا سکتا ہے۔

کامریڈ9: کامریڈ ریشماں! مجھے افسوس ہے کہ تمہارے دل میں ابھی ایک آرٹسٹ کی اَنا بیدار نہیں ہوئی۔ ورنہ نوردین کے گھر میں جھاڑو دینے کی بجائے تمہاری یہ خواہش ہوتی کہ وہ رمضان کی طرح طبلے اور ہارمونیم اُٹھا کر تمہارے ساتھ ساتھ پھرتا ہو۔

ریشماں: میں ایک ڈوم کی لڑکی ہونے کے باوجود ایک شریف آدمی کی ذلت اور رُسوائی برداشت نہیں کرسکتی۔اگر نوردین صرف ایک بار میری طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھ لیتا تو میں ساری عمر گھر کی چاردیواری سے باہر نہ نکلتی۔میں اپنے طبلوں اور ہارمونیم کو آگ لگا دیتی۔

کامریڈ10: کامریڈ ریشماں! میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تمہاری باتوں نے میرے ساتھی کو ایک ناول لکھنے کی تکلیف سے بچالیا ہے۔لیکن اب میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم چودھری نوردین کو جا کر یہ بتائیں کہ ریشماں تمہاری ایک نظرِ عنایت کے بدلے اپنے ہارمونیم اور طبلوں کو آگ لگانے کے لیے تیار ہے تو وہ کیا محسوس کرے گا؟

ریشماں: وہ جوتے مار کر تمہارا سر گنجا کردے گا۔

کامریڈ۱۰: (اپنی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے) اُف! اب ایک بجنے والا ہے۔ اب ہمیں سونا چاہیے۔ لیٹ کر لحاف اُوپر لے لیتا ہے۔ ریشماں اُٹھ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔

کامریڈ۹: ریشماں! میرے ساتھی کا مقصد تمہاری دل آزاری نہ تھا۔ لیکن اُسے بات کرتے وقت یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

ریشماں: لیکن مجھے تمہاری باتوں سے زیادہ تکلیف ہوئی ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ مجھے رُسوا کرنے سے تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوگا؟

کامریڈ۹: میرا خیال تھا کہ میری کہانی تمہاری شہرت اور عزت میں اضافہ کرے گی لیکن یہ میری بدقسمتی ہے کہ تم شہرت اور عزت کو رُسوائی سمجھتی ہو۔ بیٹھ جاؤ! میں تم سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

ریشماں: (بیٹھتے ہوئے) اگر تم نے پھیر میرا مذاق اُڑایا تو میں بے عزتی کروں گی۔

کامریڈ۹: میں نے پہلے بھی تمہارا مذاق نہیں اُڑایا تھا۔ میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہاری سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟ کیا تم یہ نہیں چاہتیں کہ تم ایک کامیاب آرٹسٹ بنو؟

ریشماں: وہ کیا ہوتی ہے؟

کامریڈ۹: میرا مطلب یہ ہے کہ تمہیں ناچنے اور گانے کے فن میں کمال حاصل ہو اور لوگ تمہارے قدموں پر سونے اور چاندی کے انبار لگا دیں۔

ریشماں: تم نے پھر واہیات باتیں شروع کر دی ہیں۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ ہمیں اس دھندے سے دو وقت کی روٹی ملتی جائے۔

کامریڈ۹: مجھے افسوس ہے کہ ایک عظیم فن کار ہونے کے باوجود تمہارے عزائم اس قدر پست ہیں۔ سچ کہو ریشماں! تم اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتیں کہ تمہیں اپنے فن کی بدولت دو وقت کا کھانا مل جائے؟

ریشماں: مَیں بہت کچھ چاہتی ہوں لیکن میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میری ہر خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔

کامریڈ۹: یہی میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ خواہشات کیا ہیں؟

ریشماں: میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا ہو جو میرے گھر کے دروازے پر پہرا دے سکے۔ جو مجھے یہ کہے کہ ریشماں! مجھے تمہارا یہ پیشہ پسند نہیں۔ میں تمہیں عزت کی روٹی دینے کے لیے مزدوری کروں گا اور اپنا خون اور پسینہ ایک کر دوں گا لیکن تمہیں لوگوں کے سامنے ناچنے اور گانے کی اجازت نہیں دوں گا۔ جب تم میرا مذاق اُڑا رہے تھے تو میں یہ سوچ رہی تھی کہ کاش کوئی میری عزت کا نگہبان ہوتا اور تمہارا گلا دبوچ دیتا۔

(صحن کی طرف سے کمرے کا دروازہ کھلتا ہے اور رمضان آستینیں چڑھاتا ہوا کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ ریشماں بدحواس ہو کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ رمضان ایک ثانیہ کے لیے رُک کر کامریڈ۹ کی طرف دیکھتا ہے۔ پھر یکے بعد دیگرے ثقافت کے ساز و سامان سے لدی ہوئی دونوں سائیکلیں اُٹھا کر صحن میں پھینک دیتا ہے۔ کامریڈ۹ سکتے کی حالت میں اُس کی طرف دیکھتا ہے۔ کامریڈ۱۰ بدحواسی کی حالت میں اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ جھنڈو آنکھیں ملتا ہوا ساتھ والے کمرے سے نمودار ہوتا ہے۔ رمضان ایک ہاتھ سے کامریڈ۹ کا بازو پکڑتا ہے اور دوسرا ہاتھ اُس کی گردن پر ڈال کر اُسے صحن کی طرف دھکیلنا شروع کر دیتا ہے۔)

کامریڈ۱۰: (اُٹھ کر رمضان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے) کامریڈ! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ دیکھو ہم تمہارے مہمان ہیں۔

ریشماں: رمضان! تم کیا کر رہے ہو؟ ہوش سے کام لو۔

جھنڈو: شرم کرو رمضان! لوگ کیا کہیں گے؟ (آگے بڑھ کر کامریڈ۹ کو چھڑانے کی کوشش کرتا ہے۔ رمضان کامریڈ۹ کو دھکا دے کر گرا دیتا ہے۔)

جھنڈو: (رمضان کو گریبان سے پکڑ کر ایک طرف ہٹاتے ہوئے) رمضان! پاگل نہ بنو۔ مجھے بتاؤ کیا بات ہوئی ہے؟

رمضان: چچا! ریشماں سے پوچھو۔

جھنڈو: کیوں ریشماں؟ کیا بات ہے؟

ریشماں: کچھ نہیں بابا! رمضان ابھی کہیں سے آیا ہے اور اُس نے آتے ہی لڑائی شروع کر دی ہے۔

رمضان: (اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے) میں یہیں تھا اور مجھے معلوم تھا کہ ریشماں کو میری ضرورت پڑے گی۔

ریشماں: (قدرے نرم ہو کر) تم اپنے گھر نہیں گئے؟

رمضان: نہیں۔

جھنڈو: تم اس سردی میں باہر کھڑے رہے ہو۔

رمضان: تمہیں اس سے کیا کہ میں کھڑا تھا یا بیٹھا ہوا تھا؟!!

ریشماں: تم ہمارے دروازے پر کھڑے

پہرا دے رہے تھے؟

رمضان: نہیں، میں کتاب لکھ رہا تھا۔

جھنڈو: آخر بات کیا ہوئی ہے؟

رمضان: کچھ نہیں۔

جھنڈو: پھر تم اس قدر لال پیلے کیوں ہو رہے ہو؟

رمضان: چچا جھنڈو! مجھ سے برداشت نہیں ہوتا کہ بھانڈ اور بہروپیے بھی ریشماں کے ساتھ مذاق کرنے لگ جائیں۔ میں آج تمہارے ساتھ آخری فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔

جھنڈو: کیا فیصلہ کرنا چاہتے ہو؟

رمضان: میں آپ کے ساتھ بات کرنے سے پہلے کچھ ریشماں سے پوچھنا چاہتا ہوں۔

ریشماں: کیا پوچھنا چاہتے ہو مجھ سے؟

رمضان: ریشماں! میں تمہارے ساتھ لڑائی کرنے نہیں آیا۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے لوگوں کے سامنے تمہارا ناچنا اور گانا پسند نہیں۔ میں تمہیں اس ذلت سے بچانے کے لیے مزدوری کروں گا۔ میں لکڑیاں اور گھاس بیچوں گا۔ میں تمہارے لیے اپنا خون اور پسینہ ایک کر دوں گا۔ میں کپڑے دھو سکتا ہوں۔ میں تھوڑا سا درزی کا کام بھی جانتا ہوں۔ میں ہَل بھی چلا سکتا ہوں۔ میں تمہارے دروازے پر پہرا دے سکتا ہوں۔

ریشماں: تم اتنی دیر باہر سردی میں بیٹھے رہے؟

رمضان: میں تمہارے ساتھ مذاق کرنے والوں کا گلا گھونٹ سکتا ہوں۔

ریشماں: تم نے مجھ سے کمبل یا لحاف مانگ لیا ہوتا۔

رمضان: (جھنڈو سے) چچا جھنڈو! میں ریشماں کو روٹی کپڑا دے سکتا ہوں۔ سوکھی روٹی اور معمولی کپڑا۔

ریشماں: (رمضان سے) سردی کے باعث تمہارے ہونٹ نیلے ہو رہے ہیں۔

رمضان: چچا! تم نے میری کسی بات کا جواب نہیں دیا۔

جھنڈو: (ریشماں سے) ریشماں! رمضان کیا کہہ رہا ہے؟

(ریشماں لجا کر رمضان کی طرف دیکھتی ہے۔ پھر آگے بڑھ کر جھنڈو کے کان میں کچھ کہتی ہے اور بھاگ کر دوسرے کمرے میں چلی جاتی ہے)

رمضان: (پریشان ہو کر) چچا! سچ کہو ریشماں کیا کہتی ہے؟

جھنڈو: (رمضان کے کندھے پر ہاتھ رکھ مسکراتے ہوئے) وہ یہ کہتی ہے کہ تم بہت بے قوف ہو لیکن میں تمہاری سوکھی روٹی اور معمولی کپڑا قبول کرتی ہوں۔

کامریڈ ۱۰: ونڈر فُل! ونڈر فُل! (تالی بجاتا ہے)

رمضان: تم کس بات پر تالی بجا رہے ہو؟

کامریڈ ۱۰: میرے دوست! ہر ڈرامے کے اختتام پر تالی بجائی جاتی ہے اور ڈرامے کا آخری سین بہت دل چسپ ہے۔ میں تمہیں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

رمضان: مجھے تمہاری مبارک باد کی ضرورت نہیں۔ میں ریشماں کے ساتھ تمہاری باتیں سُن چکا ہوں۔

جھنڈو: رمضان! اب ان لوگوں کے ساتھ تمہاری لڑائی ختم ہو جانی چاہیے۔ یہ تمہیں مبارک باد دے رہے ہیں۔

کامریڈ ۱۰: ہاں بھائی رمضان! ہم تمہاری خوشی میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔

رمضان: (اپنی جیب سے ایک روپے کا نوٹ نکال کر کامریڈ ۱۰ کو پیش کرتے ہوئے) لو بھائی صاحب! صبح جانے سے پہلے تمہیں مٹھائی بھی مل جائے گی۔

کامریڈ ۱۰: شکریہ! لیکن ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔

رمضان: دیکھو بھائی! بدشگونی نہ کرو۔ جب تم ہماری شادی پر آؤ گے تو میں تمہیں خوش کر دوں گا (نوٹ کامریڈ ۱۰ کی جیب میں ڈال دیتا ہے۔)

جھنڈو: رمضان! اب تم گھر جا کر آرام کرو۔

رمضان: نہیں چچا! میں یہیں ٹھہروں گا۔ مجھے صبح انہیں موٹر پر سوار کرانا ہے۔

جھنڈو: لیکن تمہیں یہاں تکلیف ہوگی۔

رمضان: آپ جا کر سو جائیں چچا! مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

جھنڈو: میرے ساتھ وعدہ کرو کہ اب تم ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرو گے۔

رمضان: میں کوئی زیادتی نہیں کروں گا چچا! لیکن اگر انہوں نے ریشماں کے ساتھ کوئی واہیات بات کی تو میں برداشت نہیں کروں گا۔

کامریڈ ۱۰: بھائی رمضان! تم اطمینان رکھو، ہم کوئی بات نہیں کریں گے۔ اب اگر تمہاری اجازت ہو تو اپنی سائیکلیں اندر لے آئیں۔

رمضان: اس وقت تمہاری سائیکلیں اُٹھانے کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔ تم اُنہیں صحن میں پڑا رہنے دو۔ (فرش پر لیٹ کر اپنا کمبل اوپر لے لیتا ہے۔ جھنڈو اپنے کمرے میں چلا جاتا ہے اور کامریڈ ۹ اور ۱۰ بھی اپنے اپنے بستر پر لیٹ جاتے ہیں۔)

(☆☆☆)

خضرِ راہ

ابن سلطان

گذشتہ شمارہ میں" حضرت خضر سے علامہ اقبال کے سوالات پر مشتمل اشعار تھے، اس شمارے میں حضرت خضر علامہ اقبال کے سوالات کے جوابات" دے رہے ہیں۔

کیوں تعجّب ہے مری صحرانَوردی پر تجھے
یہ تگاپوئے دمادم زندگی کی ہے دلیل

تمہیں میری صحرانوردی پر تعجب کیوں ہے؟ یہ مستقل دوڑ دھوپ ہی تو حقیقی زندگی کی دلیل ہے۔ صحرانوردی سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ کسی اور طریقے سے نہیں حاصل ہوتا۔

اے رہینِ خانہ تُو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گُونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگِ رحیل

اے گھروں میں قید رہنے والے تو اس منظر کو نہیں دیکھ پاتا جب مسافر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اس وقت جب ان کے جانوروں میں گھنٹی بجتی ہے تو جو منظر سفر اور گھنٹی کی آواز سے پیدا ہوتا ہے تو اس منظر کے لطف سے محروم رہتا ہے۔

ریت کے ٹیلے پہ وہ آہُو کا بے پروا خرام
وہ حضَر بے برگ وساماں، وہ سفر بے سنگ ومیل

اس صحرانوردی اور خانہ بدوشی کے دوران کا وہ منظر بہت ہی انوکھا اور دیکھنے کے لائق ہوتا ہے جب ریت کے ٹیلے پر ہرن بے پروا ہو کر مٹک مٹک کر چلتی ہے۔ پھر بغیر کسی کھانے پینے کی اشیا کے بے پروا ہو کر کہیں قیام کر لینا اور منزل کی دوری کی فکر کئے بغیر چل پڑنا جو لطف اس میں آتا ہے وہ تم گھروں کے قیدیوں کے میسر نہیں ہوسکتا۔

وہ نمودِ اخترِ سیماب پا ہنگامِ صُبح
یا نمایاں بامِ گردُوں سے جبینِ جبرئیلؑ

صحرا میں چہل پہل کے صبح کی وقت نکلنے والا جھلملاتا ہوستارہ ایسا معلوم پڑتا ہے جیسے کہ آسمان سے حضرت جبرئیلؑ کی نورانی پیشانی ظاہر ہو رہی ہو۔

وہ سکُوتِ شامِ صحرا میں غروبِ آفتاب
جس سے روشن تر ہُوئی چشمِ جہاں بینِ خلیلؑ

صحرا کی خاموشی میں سورج کے ڈوبنے کا منظر کچھ ایسا ہوتا ہے کہ اسے حضرت ابراہیمؑ کی آنکھ روشن ہو جانے کا واقعہ یاد آجاتا۔ (جب انہوں نے ڈوبنے سورج کو دیکھ کہا تھا کہ ڈوبنے رب نہیں ہوسکتا۔)

اور وہ پانی کے چشمے پر مقامِ کارواں
اہلِ ایماں جس طرح جنّت میں گِردِ سلسبیل

صحرا میں جب کارواں پانی کے چشمنے کے قریب اترتا ہے تو جنت کی وہ منظر آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اہل ایمان کس طرح جنت کے میٹھے اور ٹھنڈے چشمے سے لطف اندوز ہوں گے۔

تازہ ویرانے کی سودائے محبّت کو تلاش
اور آبادی میں تُو زنجیریِ کِشت ونخیل

محبت کرنے والے دیوانوں کو روز ایک نئے ویرانے کی تلاش ہوتی ہے اور تو آبادی میں رہ کر کھیت و باغات کا قیدی بنا ہوا ہے۔

پُختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی
ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی

خواب اچھی طرح سمجھ لو کہ زندگی کا پیار مسلسل حرکت سے ہی مضبوط اور پائے دار ہوتا ہے۔ اے بے خبر اچھی طرح جان لے کہ زندگی کا راز یہی ہے۔

الفاظ ومعانی:

صحرانوردی = سفر کرنا۔ نوردی بطور لاحقہ استعمال ہوتا ہے مثلاً صحرانوردی یعنی صحرا میں سفر کرنا۔
نَورد = نوردیدن مصدر کا صیغہ امر جو کسی اسم کے بعد آکر اسے اسم فاعل ترکیبی بنا دیتا ہے۔ معنی لپیٹنے والا، طے کرنے والا
تگاپو اور تگ و پو = دوڑ دھوپ، کوشش، سعی، تلاش و جستجو
دمادم = پے در پے، متواتر، لگاتار، مسلسل
بانگ = آواز، اذان
رحیل = ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا، کوچ کرنا
آہو = ہرن
خوام = ناز و ادا کی چال، مٹک
حضر = قیام، اقامت، پڑاؤ، سفر کی ضد
برگ = رزق، سامان، توشہ
نمود = نمائش، شان و شوکت، شہرت، ناموری
اختر = تارہ، ستارہ
سیماب = پارہ
بام گردوں = آسمان کی چھت، آسمان (مجازاً)
جبین = پیشانی
گرد = پھرنے والا، چکر کھانے والا، سفر کرنے والا
سلسبیل = نہر، شراب
سواد = عشق، دھن، خواہش، لگن، دیوانگی
زنجیری = پاگل، دیوانہ، زنجیر میں بندھا ہوا، قیدی
کشت = کھیتی، زراعت، بویا ہوا کھیت
نخیل = کھجور کا درخت
گردش = چکر، دور
پیہم = لگاتار، متواتر، پے در پے
جام = پیالہ، گلاس، ساغر، پیمانہ

ڈاکٹر انیس احمد

۱۰ رمضان

قوموں کی تاریخ میں ،ان کی وراثت اور روایت میں بعض ایسے اہم دن اور واقعات ہوتے ہیں جو نشان ِراہ اور سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں ،جن پر اگر غور کیا جائے تو نہ صرف ماضی کے نقوش بلکہ مستقبل کے اہداف بھی روشن ہو جاتے ہیں ۔یوم باب الاسلام کی اہمیت نہ صرف برصغیر کے بسنے والے افراد بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے غیر معمولی ہے ۔یہ دن اس لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے کہ محمد بن قاسم کے قدموں کا اس خطہ میں اسلام کی دعوت کو لے کر آنا نہ صرف سندھ بلکہ صدیوں بعد دنیا کے نقشے پر اسلام کے نام پر ایک مملکت کے قیام کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوا ۔۱۰ رمضان المبارک ۹۳ ہجری کو راول اور روہڑی کے مقام پر راجہ داہر کا شکست کھانا اور محمد بن قاسم کا فتح مند ہونا ایک انفرادی عمل نہیں تھا بلکہ امت مسلمہ کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز تھا ۔ابن قاسم نے سندھ سے ملتان اور بعض روایات میں کشمیر تک اسلامی دعوت کا پہنچایا ۔اور اس طرح شمال سے آنے والے مسلم فرمارواؤں اور جنوب میں پھیلنے والی دینی دعوت نے مل کر بر صغیر میں ایک نئی ثقافت اور تہذیب کی بنیاد رکھی اور اس تہذیب وثقافت نے شاہ ولی اللہ دہلوی جیسے اہل علم کو عالمی سطح پر دین کا احیاء کرنے کا موقع فراہم کیا ۔اور ان کے زیر تربیت ان کے صاحبزادگان شاہ رفیع الدین ،شاہ عبدالعزیز اور عبد الحق محدث دہلوی کے ذریعہ شاہ صاحب کی قرآنی فکر کو آگے بڑھانے میں امداد دی ۔نتیجتاً شاہ صاحب کے جانشینوں میں شاہ اسماعیل شہید جیسے افراد کا ظہور ہوا۔

اگر غور کیا جائے تو اس واقعے کے غیر معمولی ثقافتی ،تاریخی اور عالمی اثرات نہ صرف اہالیان ہند بلکہ مشرق وسطیٰ ،جنوبی مشرقی ایشیاء اور یورپ و امریکا تک پہنچے اور اس خطے سے ایسے اہل فکر ابھرے جن کی فکر نے مغرب ومشرق پر گہرے نقوش چھوڑے ۔زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں صرف بیسویں صدی میں اس خطہ نے عالم اسلام اور دنیا کو علامہ اقبال اور علامہ ابوالاعلی مودودی اور مولانا ابوالحسن ندوی جیسی شخصیات دیں۔

یہ واقعہ اس لحاظ سے بھی اہمیت رکھتا ہے کہ یہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ رمضان وہ مہینہ تھا جس میں پہلا اسلامی معرکہ بدر کے مقام پر ہوا ،جس نے مستقبل میں انسانیت کے نقشے اور سمت کا تعین کیا اور نظام عالم کو تبدیل کر کے عدل اور توحید کی بنیاد پر ایک نیا عالمی نظام دیا اس نئی تحریک ،اس نئی فکر اور نئی پکار نے انسانیت کو ایک نئے روح پرور نظام سے متعارف کرایا ۔بدر کے معرکے نے تاریخ میں اسلام کو مقام قیادت دیا ،سب نے جان لیا کہ اب کون تاریخ بنے گا ،اب فیصلے کس بنیاد پر ہوں گے ،اب انسانیت کے لیے معیار اخلاق کیا ہوگا ۔اسی مبارک مہینے میں ۸ ہجری کو فتح مکہ واقع ہوئی ،معرکہ بدر اور فتح مکہ نے پوری دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا بالکل ایسے ہی ۱۰ رمضان المبارک کو راجہ داہر کی شکست اور اسلام کی فتح نے برصغیر میں ایک نئے باب کا آغاز کیا ۔اسی بنا پر یوم ِباب الاسلام ہمارے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے ۔

۷۱۱ء میں سندھ میں ابن قاسم کی آمد انسانی حقوق کے تحفظ اور مظلوم افراد کو ریاستی ظلم وتشدد اور پامالی حقوق انسانی سے نجات دلانے کی ایک عظیم خدمت تھی ۔مغرب اور مغرب زدہ دانشور اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ نے حقوق انسانی کا ایک اعلامیہ جاری کیا جس میں انسان کے بنیادی حقوق کے تحفظ کی طرف متوجہ کیا گیا لیکن اگر بلا کسی تعصب کے دیکھا جائے تو یہ منشور دنیا کے ممالک کے لیے ایک اعلی دستاویز تو فراہم کرتا ہے لیکن حقوق کے تحفظ کی قانونی ضمانت نہیں دیتا ۔جب کہ اسلام نے جو انسانی حقوق قرآن وسنت میں دیے ہیں وہ تجاویز اور مشورے نہیں ہیں بلکہ قانونی زبان میں ”حق“ یا Right کا مقام رکھتے ہیں ۔بات یہ ہو رہی تھی کہ محمد بن قاسم کی سندھ میں آمد صرف اور صرف انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے ایک عملی اقدام تھا ۔اس غرض سے عراق کے مسلمان گورنر حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو ان مسلمان بیواؤں اور بچوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے سندھ بھیجا جنہیں راجہ داہر کے حکم سے قیدی بنا لیا گیا تھا ۔یہ حقوق انسانی کی بحالی کے لیے انسانیت کے دور جدید میں پہلا عسکری اقدام تھا ۔محمد بن قاسم نے جو عالمی روایت

۱۲۳۱ء سال قبل قائم کی اس کو محض نظری (Theoretical) سطح پر ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ کے منشور انسانی حقوق میں تسلیم کیا گیا لیکن اس منشور کی موجودگی میں دنیا کے لاکھوں مظلوم افراد آج بھی سیاسی ،معاشی ،معاشرتی ،تعلیمی اور ثقافتی غلامی میں مبتلا ہیں اور اقوام متحدہ کا منشور انہیں ان کا پیدائشی حق دلانے میں ناکام رہا ہے۔ بہت واضح مثال فلسطین کے مظلوم انسانوں کی جدوجہد آزادی ہے۔

ابن قاسم نے سندھ میں جس روایت علم کا آغاز کیا۔اس نے سندھ میں مروجہ جاہلی تہذیب کے توہمات ،بت پرستی اور فرمانروا کے آمرانہ اختیارات کی جگہ وحی الٰہی اور علم پر مبنی ایک نئی ثقافت کو متعارف کرایا۔سندھ میں 'ٹھٹھہ' علم وفکر اور ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز بنا۔صنعت وحرفت نے ایک نئی شکل اختیار کی،سندھ کاشی ٹائلوں اور ہندی شکلوں میں بننے والے رنگ برنگے ظروف کی برآمد کی ایک بڑی منڈی بن گیا۔وہ سرزمین، جہاں پر بت پرستی کا چرچا تھا اور انسان اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے تھے،اللہ تعالی کی وحدانیت سے گونج اٹھی اور وہی ہاتھ جو کل تک انسانی مجسمے اور بت بناتے تھے کاشی کارٹائل ،اور گھریلو استعمال اور تزئین وآرائش میں استعمال ہونے والے ظروف کی تخلیق کے لیے مشہور ہو گئے،اب انسانی شکلوں کی جگہ فطرت سے پھول پتوں اور ہندی شکلوں نے لے لی اور فن ظروف سازی اسلامی دعوت کے پھیلانے کا ایک ذریعہ بن گیا۔

ابن قاسم نے یہاں آکر حقوق انسانی کی بحالی کا ایک نیا باب تصنیف کیا اور اس کے عادلانہ طرز حکومت کے نتیجے میں رضا کارانہ طور پر سندھ کی عوام نے اسلام کی دعوت کو قبول کیا،اور دین کے علم بردار بن کر علمی روایات قائم کی جو آج تک اس خطے کے اندر موجود ہیں ۔سندھ میں قدیم کتب خانوں کا کثرت سے پایا جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اسلامی ثقافت کے اس مرکز میں عوام الناس میں تعلیم اور علمی ذوق کا معیار بہت بلند تھا۔اور یہ روایت اس وقت تک قائم رہی جب تک انگریز سامراج نے برصغیر کو اپنا غلام نہیں بنایا۔ یہاں کے قدیم کتب خانوں میں چاہے وہ ٹھٹھہ کے کتب خانے رہے ہوں،یا میرپور خاص کے کتب خانے ہوں یا دیگر مقامات کے کتب خانے ہوں،ان میں جو علمی سرمایہ پایا جاتا تھا،اس سے پتہ چلتا ہے کہ سندھ کے علماء نے نہ صرف علمی اثاثہ محفوظ کرنے میں بلکہ اسے آگے بڑھانے میں غیر معمولی کردار ادا کیا اور یہاں سے مولانا عبیداللہ سندھی جیسے علماء پیدا ہوئے۔

ابن قاسم نے سندھ کی مذہبی طبقہ واریت کو جس نے انسانوں کو اعلی ذات (برہمن)،جنگ جو (کشاتریا) تاجر (ویشا) اور کم ذات یا غلاموں سے بدتر (شودرا) میں تقسیم کیا ہوا تھا۔اس نظام کو اسلام کے نظام عدل اور حقوق انسانی پر مبنی نظام سے تبدیل کیا۔جس کی بنیاد انسانوں کی پیدائشی طور پر مساوات پر تھی کہ سب انسان آدم وحوا کی اولاد ہیں ۔رنگ ونسل اور خون کی بنیاد پر کوئی تفریق جائز قرار نہیں دی جاسکتی ۔انسانوں کو دوسرے سے ممتاز کرنے والی چیز ان کا اللہ تعالی کی بندگی میں دوسروں سے بڑھ جانا ہے ۔تقوی ہی کسی انسان کو دوسرے سے افضل بنا سکتا ہے ۔اس کا سفید وسیاہ ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا ۔اس انقلابی فکر نے انسانوں کو تعصبات سے نجات دلائی اور ایک نئی تہذیبی روایت کو قائم کیا۔

اس نئے نظام کو قائم کرنے والا ابن قاسم بیسویں صدی کے معیارات کے لحاظ سے ابھی ووٹ ڈالنے یا کار کا لائسنس حاصل کرنے کا اہل بھی نہیں تھا لیکن کم عمری کے باوجود اس نے ۱۷ سال کی عمر میں عراق سے سفر کر کے سندھ آکر ان مظلوم یتیموں اور بیواؤں کو رہا کرایا جنہیں سندھ کے ہندو راجہ داہر نے ان کے سمندری جہازوں کو لوٹ کر اپنا قیدی بنایا تھا۔محمد بن قاسم وہ نوجوان تھا،جس نے کچھ عرصہ قبل جب کہ وہ ۱۵ رسال کا تھا کرد قبائل کی بغاوت کو دور کیا تھا اور جس نے شیراز جیسے شہر کی بنیاد رکھی تھی ۔یہ اس کی قوت ایمانی اور اللہ کی ذات پر مکمل بھروسہ تھا جس نے اسے ہر قدم پر کامیابی دی ۔ابن قاسم نے کم عمری میں نہ صرف اس خطے میں اسلام کو پھیلانے کی کوشش کی بلکہ ایک ایسا نظام قائم کیا جس میں اس وقت کی آبادیوں کے حقوق انسانی دیے گئے ،ان کے ساتھ مذہبی رواداری کا اظہار کیا گیا اور انہیں پوری مذہبی اور ثقافتی آزادی دی گئی کہ اپنے رسوم و رواج پر بغیر کسی دباؤ کے عمل پیرا رہ سکیں ۔ابن قاسم کی اس رواداری اور انسانیت دوستی سے متاثر ہو کے سندھ کر ہندوؤں نے ابن قاسم کو اپنے خدا کا اوتار سمجھتے ہوئے پرستش کرنی چاہی لیکن ابن قاسم نے سخت رد عمل کا اظہار کیا اور انہیں سمجھایا کہ عبادت ،بندگی اور پرستش صرف اللہ کے لیے ہے ۔انسان پر انسان کی حاکمیت ظلم ہے اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے ۔ابن قاسم نے اپنی

عملی مثال سے یہ پیغام دیا کہ اسلام انسانوں کے درمیان تفریق ختم کرتا ہے ۔طبقات کو مٹاتا ہے اور تمام انسانوں کو ایک برادری قرار دیتا ہے۔

یہ بات کسی تعارف کی محتاج نہیں کہ وادی سندھ تاریخی طور پر ہندو مذہب کی جائے پیدائش اور اس کے وجود اور نشونما کا مرکز تھی اور جب شمال ،سے سفید نسل کے وہ آریائی افراد جنہیں بعد میں برہمن کہا گیا یعنی ہلکے رنگ والے افراد، یہاں پر آباد ہوئے تو اس وادی کی مناسبت سے پہلے ان کے لیے سندھس اور پھر ہندوس کی اصطلاحات کا استعمال عام ہوگیا اور وقت گزرنے کے ساتھ یہ اصطلاح ہندو بن گئی ۔ان آریائی نسل کے افراد نے مقامی سندھس یا ہندوس آبادی کو جو گندمی اور سیا ہ رنگ رکھتی تھی سیاسی اور معاشی دباؤ کے ذریعہ جنوب کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا ،جنوب میں انہیں دراوڑ کے نام سے یاد کیا جانے لگا ۔اس طرح دراوڑ اور دیگر افراد، جو یہاں کے اصل باشندے تھے اور جنہوں نے یہاں پر قدیم زندگی گزاری تھی ،یہاں سے جنوب میں Move کر گئے ۔اس علاقے کو فتح کرنے والے ،شمال سے آنے والے مقابلتاً کھلتے ہوئے رنگ والے آریاؤں نے یہاں جو نظام قائم کیا اس نظام کے اندر نہ فرد کی آزادی تھی، نہ فرد کی عزت تھی نہ فرد کو بحیثیت انسان کے مانا گیا تھا بلکہ وہ چار طبقات کو قانونی تحفظ فراہم کرتا تھا ۔برہمن اعلی ترین نسل تھی ،کشاتریا ،ویشا اور شودر اکم تر ذاتیں قرار پائیں ۔سندھ میں اسلام کی آمد نے اس طبقاتی نظام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کرنا چاہا اور یہ پیغام دیا کہ تمام انسان حضرت آدم کی اولاد ہیں اس لیے ان میں کوئی تفریق نہیں ہوسکتی، وہ اپنے بنیادی حقوق میں مساوی ہیں ۔فرق کی بنیاد صرف اور صرف اس کا اخلاقی طرز عمل ہے ۔جس کا اخلاقی طرز عمل بلند ہوگا وہی معزز اور محترم ہوگا ۔ایک غلام زادہ بھی بادشاہ کے تخت پر بیٹھ سکتا ہے اگر اس کا کردار اور اخلاق دوسروں سے افضل ہو ۔ایک شودر کی اولاد جنہیں Untouchable کہا جاتا ہے ،ایک تاجر کی اولاد ایک شہزادہ ،ایک جنگجو کی اولاد ،یا ایک برہمن کی اولاد کو اس بنا پر الگ نہیں قرار دیا جاسکتا کہ اس کا باپ برہمن تھا ،اس کا باپ کشاتریا تھا ،اس کا باپ فلاں قبیلے سے تعلق رکھتا تھا ۔ذات اور نسل کی بنیاد پر انسانوں کو تقسیم کرنا اسلام کے انسانی حقوق کے منافی ہے ۔یہ وہ پیغام ہے جو یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے۔

یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ ہم نے بہت سے بیرونی اور جاہلی ثقافتی اثرات کو قبول کرتے ہوئے خود امت مسلمہ کے اندر وہ تقسیم پیدا کرلی ہے جن کی بنیاد اسلام میں نہیں ہے اور جو ابن قاسم کے یہاں لائے ہوئے پیغام کے بالکل منافی ہیں ۔آج صورت حال یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو مختلف ذاتوں کے لحاظ سے ،زبانوں کے لحاظ سے ،نسلوں کے لحاظ سے ،برادریوں کے لحاظ سے ،علاقوں کے لحاظ سے تقسیم کرتے ہیں اور بڑے فخر کے ساتھ یہ بات کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں شادی صرف ہماری ذات والوں میں ہوتی ہے ۔ابن قاسم نے یوم باب الاسلام کے ذریعہ جس روایت کو یہاں پر قائم کیا وہ روایت وہی تھی جس کو مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ نے دین اسلام کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں ہمیں سمجھایا تا ۔دین اسلام نے انقلابی طور پر ذات ،خون اور معاشی اجارہ داری کو ختم کرنے کے بعد مساوات انسانی کا درس دیا تھا ابن قاسم کے دور میں کوئی تفریق نہ ذات کی بنیاد پر کی گئی ،نہ زبان کی بنیاد پر کی گئی ،نہ نسل کی بنیاد پر کی گئی ،نہ دولت کی بنیاد پر کی گئی اور ان تمام تفریقات کو دور کرتے ہوئے ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی گئی جو اسلام کے عالم گیر عادلانہ اصولوں کا نمائندہ ہو۔

یوم باب الاسلام کی اہمیت اسی بنا پر ہے کہ اس تاریخی واقعہ نے سندھ کے مظلوم انسانوں کو اندھی جاہلی روایات سے آزاد کرایا۔

یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ سندھ میں ہماری تہذیبی اور ثقافتی جڑیں کس سرزمین میں پیوستہ ہیں ۔سندھ میں باب الاسلام کی مثال ایسی ہے جیسے مصر میں عمرو بن عاص ؓ کے فتح مصر کے بعد وہاں پر تاریخ کا ایک روشن دور شروع ہوا اور ماضی کی تاریکیاں جن میں فراعنہ مصر کی مشرکانہ تہذیب ڈوبی ہوئی تھی وہ قیامت تک کے لیے ماضی کی دبیز تہوں میں دفن ہوگئی تھی اور وہ لوگ جو فراعنہ مصر سے اپنا رشتہ جوڑتے اور فخر سے اپنے آپ کو فرعونوں کی اولاد کہا کرتے تھے اس رشتہ کو توڑ کر اللہ کی بندگی اور انسانی مساوات کے رشتہ میں منسلک ہوگئے ۔مصر کی مسلمان آبادی نے اس تاریخی واقعہ کے بعد فراعنہ کی تہذیب سے اپنے آپ کو منقطع کیا اور اپنی تاریخ کا آغاز فتح مصر کے بعد وجود میں آنے والی اسلامی تہذیب سے کیا ۔اہرام مصر آج بھی قبل اسلام کی جاہلی تہذیب کی علامت ہیں جب کہ مسلمانان مصر اپنا رشتہ فراعنہ سے نہیں بلکہ عمرو بن عاص ؓ کی لائی ہوئی اسلامی

تہذیب سے جوڑتے ہیں ۔جن ثقافتی نشانیوں کی طرف اہل مصر متوجہ ہوتے ہیں وہ نہ ابوالہول کا مجسمہ ہے اور نہ ہی طوطا خانوں کی حنوط شدہ لاش بلکہ وہ مساجد ہیں جو تاریخ کے ہر دور میں تعمیر ہوئیں، وہ کتب خانے جو مخطوطات سے بھرے پڑے ہیں اور وہ تعمیرات جو اسلامی طرز تعمیر کی نمائندہ ہیں، انہی کا نام مصری تہذیب ہے ،یہ مصریوں کی پہچان ہے ۔اہل فن آج بھی روایتی پپائرس کاغذ کا استعمال کرتے ہیں لیکن ان کاغذوں پر بننے والے نقوش قدیم مصری فراعنہ کی جگہ اسلامی ثقافت سے وابستہ روایات کی نمائندگی کرتے ہیں ۔قرآنی آیات اور ارشادات نبوی ﷺ کو کوفی ،ریحانی ،دیوانی اور خط مسلسل میں تحریر کر کے دیکھنے والوں سے تعریف وتحسین وصول کرتے ہیں۔

اگر غور کیا جائے تو یوم باب الاسلام دراصل ایک نئی ثقافت ،ایک نئی تہذیب ،ایک نئے رجحان کے آغاز کی علامت ہے۔ یہ محض باہر سے آئے ہوئے ایک فرد کی فتح کی داستان نہیں ہے کیونکہ یہ فتح جس بنا پر ہوئی وہ کوئی استحصالی حملہ نہ تھا بلکہ یہاں پر حقوق انسانی، جن کو صدیوں سے پامال کیا گیا تھا ،یہ ان کی بحالی کے لیے ایک جرأت مندانہ حریت پسند انسانی اقدام تھا ، یہ ایک لبریشن کا اقدام تھا جس کے ذریعہ ان افراد کو نہ صرف جبراً قید کر لیے گئے تھے بلکہ ان افراد کو جن کے دل ودماغ کو غلام بنا دیا گیا تھا اور جن پر انسانوں اور پتھر کے بتوں کو بطور حاکم مسلط کر دیا گیا تھا۔ ان انسانوں کو غلامی سے نکال کر عظمت انسانی سے روشناس کرایا گیا۔ ذات پات اور رنگ ونسل کے بتوں کو توڑ کر خالق کائنات کی حاکمیت کو اس کی زمین پر قائم کیا گیا۔

باب الاسلام کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ یہ برصغیر کی امت مسلمہ کو دنیا کے باقی تمام مسلمانوں کے ساتھ جوڑنے کا ایک بنیادی عمل تھا۔ابن قاسم کی سرزمین سے ایسے صاحب علم افراداُ بھرے جنہوں نے علوم اسلامی کے مراکز میں اشاعت علم میں اہم کردار ادا کیا۔مشہور فقیہ اور مفکر امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے جب مدینہ منورہ جا کر تحصیل علم کرنی چاہی تو ان کے اساتذہ میں ایک سندھ کے استاد بھی تھے جنہوں نے نہ صرف شاہ صاحب کو بلکہ معروف مجدد محمد ابن عبدالوہاب کو بھی دروس دیے۔

۱۰/رمضان المبارک کو ابن قاسم کی سندھ میں کامیابی کے اثرات کہاں کہاں تک پہنچے،تفصیلات میں جائے بغیر، ہم اختصار سے صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ یوم باب الاسلام نہ صرف برصغیر بلکہ عالم اسلام کے لیے بھی ایک اہم تاریخی سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے ۔ یہاں جس نظام کی بنیاد رکھی گئی اس کی پہچان عدل ،رواداری تحمل ،حاکمیت الٰہی اور معاشرتی فلاح تھی اس نظام میں انسان کے بلند ہونے کی بنیاد نہ دولت تھی نہ اس کی نسل بلکہ اس کا علم وتقویٰ اور صلاحیت۔

سندھ میں اشاعت اسلام کا بڑا سبب وہ عادلانہ نظام تھا جس کے ذریعے ایک اعلی ذات کے فرد اور ایک کم معاشرتی مقام کے حامل شخص کو یکساں عدل کے حصول کے مواقع ملے ۔اسلام نے جس رواداری کا مظاہرہ کیا، وہ دلوں کے جیتنے کا ذریعہ بنی اور اہل سندھ نے بغیر کسی مزاحمت کے اس نئے نظام کا استقبال کیا۔ابن قاسم کو اپنا نجات دہندہ قرار دیا اور اس کی اعلی انتظامی صلاحیت اور عادلانہ رویہ کے نتیجے میں سندھ کے طول وعرض میں اسلامی ثقافت نے جڑیں پکڑیں ۔ یوم باب الاسلام کے حوالے سے ایک قابل غور پہلو یہ ہے کہ ابن قاسم نے مظلوم اور مصیبت زدہ بیواؤں اور بچوں کی پکار پر حالات سے بے پرواہ ہو کر ایک ان جانے ملک اور خطے کی طرف کوچ کیا اور جس طرح طارق بن زیاد نے اللہ کی امداد پر توکل کرتے ہوئے اندلس (اسپین) کے مظلوم افراد کی پکار پر لبیک کہا تھا ،بالکل اسی جذبے کے ساتھ ابن قاسم نے اسلامی فریضہ اور انسانی ہمدردی کے پیش نظر قید کیے گئے یتیم بچوں اور بیوہ خواتین کو رہا کرانے کے لیے سندھ کی مہم کو اپنے ہاتھ میں لیا۔آج دنیا کے ہر خطے میں بے شمار انسان ظلم وستم کا نشانہ ہیں ۔مسلم ممالک میں بھی جو لوگ دین کی سربلندی کے لیے کوشاں ہیں مسلم حکومتیں انہیں سخت ناپسند کرتی ہیں اور جیل اور تعذیب کا نشانہ بناتی ہیں ۔یہی شکل ان تحریکات آزادی کی ہے جو ایشیاء وسط ایشیاء ،اور افریقہ میں اپنے انسانی حلقوں کے تحفظ کے لیے جہاد میں مصروف ہیں ۔حالات اس مقام پر آگئے ہیں کہ اب ایک نئے ابن قاسم کی ضرورت ہے جو عصبیت ،لسانی قومیت ،قبائلی بتوں اور اسلام دشمن تصورات کی جگہ اس روایت کو تازہ کرے جو تقریباً ہزار سال قبل اس خطہ کی پہچان بن گئی تھی ۔ یہ نیا محمد بن قاسم آسمان سے نہیں اسی خطہ سے ابھرے گا۔ اللہ تعالی کی یہ سنت ہے کہ جب ایک قوم اپنے آپ کو بدلنا چاہتی ہو تو وہ اسے ہدایت ورہنمائی دیتا ہے تاکہ حق غالب آجائے اور باطل فنا ہو جائے، بلاشبہ باطل فنا ہونے ہی کے لیے ہے۔

(☆☆☆)

گراؤنڈ رپورٹ

دھلی فسادات

ابوالفیض ،عبدالواحد باحسن

شمال مشرقی دہلی میں 23 فروری 2020ء سے شروع ہوئے سلسلہ وار فسادات نے ایک مرتبہ پھر ماضی کے فسادات کی یاد دلادی ہے۔ ماضی کے فسادات میں جو کردار حکومت، پولس اور آر ایس ایس نے ادا کئے تھے وہی کردار دہلی کے فساد میں بھی دہرا کر اپنی حقیقت پسندی کا ثبوت دیا ہے۔ اس فساد میں عدلیہ کا کردار میڈیا ادا کر رہی تھی۔ دہلی کا یہ فساد بھی گزشتہ فسادات کی طرح منظم تھا لیکن میڈیا کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ یہ سب اچانک سے ایک نیتا کے کہنے پر ہوا ہے۔ یہ بات بھی دل چسپ ہے کہ ابھی تک اس نیتا کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں ہوئی ہے۔ یہ فساد مسلسل کئی روز تک جاری رہا۔ مقامی لوگوں کے مطابق اسے دوسرا گجرات بنانے کی مکمل کوشش تھی لیکن جب مسلمانوں نے نا چاہتے ہوئے بھی اپنے دفاع کی کوشش شروع کی اور پولس، حکومت اور آر ایس ایس کو جب اس بات کا یقین ہوگیا کہ اگر ہم نے فساد کو نہ روکا تو 'اصل فسادی' مار دیے جائیں گے، تب کہیں جا کر پولس اور فوج نے اس میں مداخلت کی۔

فساد میں مسلمانوں کا جانی ومالی نقصان بہت ہوا۔ حکومت کی جانب سے جو فساد کی رپورٹ پیش کی گئی ہے وہ زمینی حقائق سے بالکل مختلف ہے۔ ابھی تک میڈیا کے ذریعہ مرنے والوں کی جو تعداد بتائی گئی ہے وہ 55 سے 60 کے درمیان ہے۔ اسی طرح زخمیوں کی تعداد 200 تا 250 کے درمیان بتائی گئی ہے حالاں کہ زخمیوں اور مرنے والوں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہوسکی ہے اور یہ معلوم ہونے میں بھی دو تین مہینے لگ جائیں گے۔ اس لیے کہ ابھی انہیں لوگوں کا سراغ مل پایا ہے جو مقامی تھے۔ بہت سے ایسے لوگوں کا سراغ نہیں مل سکا ہے، جو مزدوری کرتے تھے اور کرایے کے مکان میں رہتے تھے۔ فاروقیہ مسجد کے امام مفتی طاہر صاحب کی طرح سیکڑوں زخمی اور متاثر افراد وخاندان تو ایسے تھے جو فوراً دہلی چھوڑ کر چلے گئے۔

اس فساد نے یہ پوری طرح واضح کردیا کہ حکومت مخالف مظاہرے مسلمانوں کی شناخت کی لڑائی بن چکے ہیں۔ اور جو نام نہاد سیکولر، کمیونسٹ اور دیگر لوگ جو مسلمانوں کے ساتھ کھڑے تھے، وہ آئندہ بھی مسلمانوں کا ساتھ اس وقت چھوڑ دیں گے جب انہیں ان کے سہارے کی فوری ضرورت ہوگی۔ اور تب مسلمانوں کو خود اپنی لڑائی لڑنی پڑے گی اور اکیلے ہی لڑنی پڑے گی اس لئے کہ زمینی حقائق بھی یہی کہتے ہیں جن کی تصدیق فساد متاثرین نے خود کی ہے۔

ریلیف کے وقت متاثرین سے ملاقات:

ریلیف کے لیے جب ہم لوگ میدان میں آئے تو کچھ متاثرہ خاندان کی روداد سن کر اور کچھ ذاتی مشاہدے کے بعد جو بات سامنے آئی وہ ان باتوں سے بالکل الگ ہے جن کا ذکر بار بار میڈیا گلہ پھاڑ پھاڑ کر کر رہا تھا۔ مثلاً یہ کہ کس طرح پولس نے غیر جانب داری سے کام لیا ہے۔ اس کی تصدیق متاثرین نے بھی خود کی؛ شیو وہار کی ایک خاتون نے بتایا کہ جب ہم ہندو فسادیوں سے اپنی جان بچا کر بھاگ رہے تھے تو پولس ہم کو دیکھ کر ہنس رہی تھی اور بار بار طعنے بھی کس رہی تھی ''لو اور چاہیے تمہیں آزادی، اب ہم تمہیں آزادی دیں گے۔'' نور الٰہی علاقے کے ایک صاحب نے بتایا کہ فساد کے دوران میں نے پولس کو 100 نمبر پر فون کیا اور مدد کی درخواست کی تو پولس نے ہنس کر فون کاٹ دیا، پھر 20 دن کے بعد پولس کا فون آیا کہ اس دن کس لیے فون کر رہے تھے۔ نور الٰہی کے ہی کچھ متاثرین نے روداد سناتے ہوئے کہا کہ 'اس دن ہمیں یہ دیکھنے کو ملا کہ ایک ایمبولنس ہمارے علاقے میں چل رہی تھی جو دنگائیوں کو سامان لالا کر دے رہی تھی'۔ جن لوگوں کو گولی لگی ہے اگر ان کی بھی صحیح طریقے سے جانچ ہو تو اس میں بھی پولس کے کارنامے صاف نظر آئیں گے۔ اوکھلا وِدھان سبھا کے ایم ایل اے نے بھی یہ بات کہی کہ میں خود ایس پی، ڈی ایس پی اور پولس کمشنر وغیرہ کو فسادات کے دوران مسلسل فون کرتا رہا لیکن انہوں نے فون نہیں اٹھایا۔ پھر میں جا کر پولس ہیڈ کوارٹر پر بیٹھ گیا، اس کے باوجود کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

ایک اور بات منصوبہ بند طریقے سے میڈیا، سوشل میڈیا اور کچھ نیتاؤں کے ذریعہ پھیلائی گئی کہ فسادی اور دنگائی باہر سے آئے تھے، اس میں مقامی لوگوں کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ لیکن زمینی حقیقت اس کے برعکس ہے؛ شیو وہار کے ایک صاحب نے بتایا کہ ہم چار بھائی ہیں اور دنگے سے پہلے ہی گاؤں میں اپنی

بھانجی کی شادی میں چلے گئے تھے۔ 27 فروری کو میں اور میرا چھوٹا بھائی دونوں اس غرض سے دہلی آئے کہ جا کر اپنا گھر دیکھ لیں۔ جب ہم شیو وہار پہنچے تو مقامی لوگوں نے جے شری رام کا نعرہ لگاتے ہوئے ہمارے اوپر حملہ کر دیا۔ حملے میں میرا چھوٹا بھائی شہید ہوگیا اور میں اپنی دونوں ٹانگیں گنوا بیٹھا۔ وہیں کی ایک خاتون نے بتایا کہ جب دنگائی ہمارے گھر کی طرف بڑھے تو ہمارے مالک مکان (جو کہ ہندو ہے) نے دروازہ کھول دیا۔ دنگائی جب گھر میں داخل ہوئے تو دو لڑکوں نے چوتھی منزل سے کود کر اپنی جان بچانے کی کوشش کی جس کی وجہ سے ان دونوں کے دونوں پیر ٹوٹ گئے۔

مقامی ہندوؤں کے ملوث ہونے کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جو بھی دوکان یا عمارت جلائی یا لوٹی گئی، وہ زیادہ تر مسلمانوں کی تھی۔ جن دوکانوں کے مالک ہندو اور کرایہ دار مسلمان تھے، انہیں یا تو لوٹ لیا گیا یا وہاں سے سامان باہر نکال کر جلا دیا گیا۔ اور جن دوکانوں کے مالک اور کرایہ دار دونوں مسلمان تھے، انہیں مکمل طور پر جلا دیا گیا۔ یہ ایک جگہ کی نہیں بلکہ اکثر جگہوں کی بات ہے۔ ہم لوگوں نے خود جا کر دیکھا ہے کہ چندو پور کی ایک گلی کو پوری طرح لوٹ لیا گیا سوائے ایک لالہ کی دوکان کے، جب کہ وہ اس گلی میں اکیلے غیر مسلم کی دوکان تھی۔ یہ سب کام مقامی لوگوں کے بغیر کیسے ہوسکتا ہے؟ ہمیں سمجھنے کی ضرورت ہے۔

یہ بات بھی سوشل میڈیا اور لوگوں کے منہ سے سننے میں آئی کہ دنگائی جس طرح چاہ رہے تھے مسلمانوں کے ساتھ لوٹ مار کر رہے تھے لیکن متاثرین سے گفتگو کرنے پر سمجھ میں آیا کہ معاملہ ایسا نہیں تھا۔ بلکہ جہاں پر مسلمانوں نے اپنا دفاع کیا وہاں پر محفوظ رہے، اور جہاں گھر چھوڑ کر چلے گئے یا بھاگ گئے وہاں انہیں نقصان پہنچایا گیا۔ شیو وہار کی ایک خاتون نے ہمیں بتایا کہ 25 فروری کی رات ہم 12 بجے تک اپنے گھر میں موجود تھے، اس وقت تک کچھ بھی نہیں ہوا۔ جب ہمیں 2 سے 3 بجے کے درمیان فوج کے ذریعہ گھروں سے نکالا گیا، اس کے بعد توڑ پھوڑ ہوئی۔ اس نے مزید کہا کہ ہمارے پڑوس میں بھی جب تک گھر والے موجود تھے، کسی کی ہمت نہیں تھی کہ گھر میں داخل ہوجائے۔ جیسے ہی انہوں نے گھر چھوڑا، ان کا مکان آگ کے حوالے کر دیا گیا۔

حکومت اور پولس کی پشت پناہی میں دنگائیوں نے جس طرح اجتماعی قتل عام کا منصوبہ بنا کر فساد شروع کیا تھا، وہ ناکام ہوگیا اور مسلمانوں نے یہ ثابت کر دیا کہ 'بھلے ہی ہم تیار نہیں ہیں لیکن ہمیں مٹانے کے منصوبے فضول ہیں'۔

تمام بُری خبروں کے درمیان ایک اچھا پہلو شیو وہار کے کچھ ہندوؤں کا تھا۔ 24 مارچ کو ایک غیر مسلم نے تقریباً 30-25 مسلمانوں کو اس وقت بچایا، جب وہ ایک مسجد میں چھپے ہوئے تھے اور دنگائی اس مسجد کو جلا کر ان سب کو جلانا چاہ رہے تھے۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی ان ہندوؤں کی جان و مال کی حفاظت کی جو ان کے علاقے میں تھے یا پھنس گئے تھے۔

مساجد و مدارس کے جلانے کا منصوبہ:

فسادیوں نے مسلم گھروں کو لوٹنے سے پہلے مسجدوں اور مدرسوں کو جلانے اور مسمار کرنے کا منصوبہ بنایا۔ 20-19 مساجد اور 6-5 مدارس کے علاوہ ایک درگاہ کو بھی جلایا گیا۔ فاطمہ مسجد چندو پور، فاروقیہ مسجد مصطفی آباد اور اشوک نگر کی مولانا بخش مسجد و چاند مسجد نیز شیو وہار کی اولیاء مسجد، مدینہ مسجد، طیبہ مسجد؛ یہ وہ مسجدیں ہیں جن میں خوب لوٹ پاٹ کی گئی اور بری طرح جلائی گئیں۔

گوکل پوری کی خوب صورت 'جنتی مسجد' میں 4-3 روز تک مسلسل توڑ پھوڑ ہوتی رہی اور اسے گیس سلنڈر کے علاوہ بم سے بھی اڑانے کی کوشش کی گئی جس سے دو طرف کی دیواریں مکمل طور پر ختم ہوگئیں۔ ہم نے جب مسجد کے خزانچی سے بات کی تو انہوں نے ان باتوں کی تصدیق کی اور مزید بتایا کہ MCD نے ہمیں اس میں نماز پڑھنے سے روک دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مسجد کی عمارت پوری طرح سے خراب ہوگئی ہے، اس کے کبھی بھی گرنے کا اندیشہ ہے۔

مساجد میں قرآن کی بے حرمتی بھی کی گئی اور امام، موذن و نمازیوں کو بھی مارا پیٹا گیا۔ فاروقیہ مسجد کے امام صاحب کو تیزاب کے ذریعہ جلانے کی کوشش کی گئی۔ اور مؤذن صاحب کو بھی بری طرح مارا پیٹا گیا جو تقریباً ایک ماہ تک اسپتال میں زیر علاج رہے۔

سرکاری اسپتال کا رویہ:

فسادات میں جو کچھ ہوا وہ تو الگ ہے اس میں جو لوگ زخمی ہوئے، جلے یا مکمل طور پر معذور ہوگئے، ایسے لوگوں کے ساتھ سرکاری اسپتالوں خاص طور پر گرو تیگ بہادر (GTB) اسپتال کا رویہ اچھا نہیں رہا۔ ایک مریض، جو اپنی دونوں ٹانگوں سے محروم ہو چکا ہے، 25 دن سے زیادہ کا عرصہ ہوگیا لیکن اس کا آپریشن نہیں ہوا۔ 19 مارچ کو ہم لوگوں نے اسپتال جا کر ملاقات کی تو معلوم ہوا ابھی تک آپریشن نہیں ہوا ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ کسی مشین کی ضرورت ہے جو ابھی تک نہیں آپائی ہے۔ یہی بات انہوں نے ایک ہفتہ پہلے 12 مارچ کو بھی ملاقات کے وقت کہی تھی۔ نور الٰہی کے دو زخمی ایسے ملے جن کو گولی لگی تھی؛ ایک کے دماغ کے قریب گولی پھنس گئی تھی اور ایک کو دماغ کے قریبی حصے کو پھاڑتے ہوئے گزر گئی جس کی وجہ سے ان کی ایک آنکھ کی روشنی بھی چلی گئی۔ یہ دونوں بھی GTB میں ہی داخل تھے۔ ایک صاحب سرکاری محکمے کے آدمی تھے، اس لیے ان کی دیکھ بھال تو ہوگئی لیکن دوسرے صاحب کو مجبوراً پرائیوٹ اسپتال میں آپریشن کرانا پڑا۔ ایک 17 سال کا لڑکا، جس نے ابھی دسویں کا امتحان پاس کیا تھا، اس کے پیٹ میں گولی لگی تھی۔ GTB نے بغیر آپریشن کے 7 مارچ کو گھر والوں کو یہ کہہ کر چھٹی کر دی کہ 'اب یہ لڑکا چل نہیں پائے گا، اس کا جو علاج ہونا تھا وہ ہوگیا'۔ بعد میں 20 مارچ کو ایک پرائیویٹ اسپتال

میں اس کا آپریشن ہوا اور اب وہ پہلے سے اچھی حالت میں ہے۔

مصطفی آباد عید گاہ کیمپ:

فسادات میں متاثر لوگوں کے رہنے کے لیے مصطفی آباد عید گاہ میں کیمپ لگایا گیا تھا۔ مردوں کے لیے الگ اور عورتوں تک کے لیے الگ خیمے تھے۔ خیموں کی کل تعداد 13 تھی، جن میں ایک خیمہ بچوں کی تعلیم کے لیے، ایک میڈیکل، راحت رسانی اور قانونی امداد کے لیے تھا۔ 600-500 لوگوں پر مشتمل اس کیمپ میں 2 وقت کے کھانے کی سہولیات مہیا تھیں، جس سے وہاں کے متاثرین مطمئن نہیں تھے۔ کیمپ کے اندر ایک خاتون سے جب ہماری بات ہوئی تو اس نے باتوں کے دوران کہا کہ یہاں ہمیں صرف کھانے کی سہولت مہیا ہے، اس کے بعد کچھ نہیں ملتا۔ ایک پیر سے معذور ایک شخص سے ملاقات ہوئی، جو کھجوری کے علاقے میں کرایہ پر رہتا تھا، اس نے ہمیں بتایا کہ میں اس کیمپ میں دو دن سے مارا مارا پھر رہا ہوں لیکن ابھی تک کسی نے مجھ سے اتنا بھی نہیں پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ اس سے ملتی جلتی اور بھی تکلیف دہ باتیں کیمپ میں ہمارے سامنے آئیں۔

وہاں کی ایک قابل تشویش بات یہ تھی کہ جتنی جماعتیں اور NGO کام کر رہی تھیں، ان میں سے کئی ایک اس کیمپ پر مالکانہ حق جتانے کی کوشش کر رہی تھیں، بھلے سے اندر ان کا ایک بھی بندہ نہ ہو لیکن باہر ہر کوئی یہ دعوی کر رہا تھا کہ یہ کیمپ ہم نے ہی لگایا ہے۔ ہم نے جب یہ بات ایک NGO سے معلوم کرنے کی کوشش کہ ہر کوئی کیمپ پر اپنا مالکانہ حق جتا رہا ہے تو انہوں نے ادھر ادھر کر کے بات ٹال دی۔

ریلیف کا کام، NGOs اور متاثرہ طبقہ:

ریلیف کا کام کرتے ہوئے یہ چیز سامنے آئی کہ جو تنظیمیں اور NGOs ضرورت کا سامان متاثرہ طبقہ کو دے رہی ہیں وہ بھی اور جو لوگ فسادات کی وجہ سے متاثر ہوئے ہیں وہ بھی دونوں افراط وتفریط میں مبتلا ہیں۔ کئی مرتبہ تو یہ دیکھنے کو ملا کہ کئی افراد و خاندان ایک جگہ سے اپنی ضرورت پوری کر کے دوسری تنظیموں کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ یہی نہیں جو تنظیمیں اور NGOs ریلیف کا کام کر رہی تھیں، ان میں کچھ ایسی تھیں جو اسے اپنا کاروبار بھی سمجھ رہی تھی۔ ایک معاملہ یہ آیا کہ مصطفی آباد میں واقع الہند اسپتال کے نام سے لوگوں نے چندہ کرنا شروع کر دیا۔ چناں چہ اسپتال کو یہ اعلان اور اشتہار نکالنا پڑا کہ الہند کے نام پر کسی کو چندہ نہ دیں، ہمیں پیسہ کی ضرورت نہیں ہے۔

فسادات کے بعد عام حالات:

فسادات کے بعد دھیرے دھیرے زندگی اپنے معمول پر آ رہی ہے اور ریلیف کے کام کی وجہ سے اس میں بہت بہتری آئی ہے لیکن عدم اعتماد کی کیفیت ابھی بھی بنی ہوئی ہے۔ حکومت اور پولس کے رویے سے لوگ اب بھی نالاں ہیں۔ عید گاہ کیمپ میں بہت سے خاندان بھی صرف اسی وجہ سے کیمپ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کا مطالبہ صرف اور صرف اتنا ہے کہ حکومت ہماری حفاظت کا ذمہ لے۔ جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ پولس بھی فساد میں شامل تھی تو کس سے اپنی حفاظت کی بات کر رہے ہیں تو ان میں سے کچھ نے کہا کہ ہم حکومت سے پولس کا حفاظتی دستہ نہیں بلکہ آرمی کا حفاظتی دستہ مانگ رہے ہیں۔

آج کل پولس دن میں ایک دو مرتبہ فساد زدہ علاقوں میں حفاظت کے نام پر گشت کرتی ہے اور آئے دن کسی نہ کسی بہانے نوجوانوں کو اٹھا رہی ہے۔ ایک دو مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ ریلیف کا کام کر رہی NGO کے لوگوں کو بھی حراست میں لے لیا۔ بعد میں وکیلوں کی مداخلت کے بعد انہیں رہا کیا گیا۔ میڈیا کے مطابق ابھی تک تقریبا 3500 سے زائد نوجوانوں کو حراست میں لیا جا چکا ہے، جن میں تقریبا 2900 مسلم نوجوان ہیں اور ابھی بھی گرفتاری کا سلسلہ جاری ہے۔ ایک بوڑھی خاتون اس غرض سے ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان لینے آئی تھیں کہ ان کے گھر میں کوئی کام کرنے والا نہیں تھا۔ انہوں نے گرفتاری کے ڈر سے اپنے لڑکوں کو شہر سے کہیں دور بھیج دیا تھا۔

اس بات کا تو اطمینان ہے کہ وہاں کی عوام میں خوف وہراس نہیں ہے لیکن ماحول کب خراب ہو جائے اس کی کوئی گارنٹی نہیں ہے۔ 14 مارچ کو کھجوری کے علاقے میں دیر رات فائرنگ ہوئی اور ہندوؤں کی طرف سے سڑک پار ایک نو تعمیر مسجد پر پتھر بازی بھی کی گئی۔ 17 مارچ کو شیو وہار کی طیبہ مسجد پر ایک ہندو لڑکے نے ترنگا لگانے کی کوشش کی جسے مقامی لوگوں نے پکڑ کر پولس کے حوالے کر دیا۔

اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF) کی طرف سے ریلیف کا کام:

IYF کی مرکزی شوریٰ کے تقریبا ممبران نے مختلف ایام میں متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا۔ فیڈریشن کی ٹیم نے 29 فروری سے غیر منظم انداز میں اور 10 مارچ سے منظم انداز میں ریلیف کا کام شروع کیا۔ تب سے ریلیف کا کام مستقل کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے۔ میدان عمل میں اترنے کے بعد ٹیم نے متاثرین کے گھروں پر جا جا کر ملاقات کی اور مستحق لوگوں کے مسائل جاننے کی کوشش کی۔

فیڈریشن نے اپنے لیے ایک لائحہ عمل طے کیا تھا کہ وہ ضروری تحقیق کے بعد ہی متاثرین کی مدد کرے گی۔ ساتھ ہی یہ بھی طے کیا تھا کہ ہم انہیں پیسے کے بجائے ان کی ضروریات کی چیزیں خرید کر دیں گے تا کہ وہ اپنی گزر اوقات صحیح طریقے سے کر سکیں۔ اس کے ساتھ ایک چیز یہ بھی طے کی گئی تھی کہ جو لوگ فساد کی وجہ سے معذور ہو گئے ہیں اور ان کے آگے پیچھے کوئی بھی نہیں ہے تو ہم اپنی استطاعت کے مطابق 20 تا 30 خاندان کی دیکھ بھال اس وقت تک کریں گے جب تک کہ وہ اپنے پیروں پر دوبارہ کھڑے نہ ہو جائیں۔

(بقیہ صفحہ 7 پہ)

مصری عالم دین **سیّد قطبؒ شہید** کے ذریعہ زنداں میں کی جانے والی عربی زبان کی مایہ ناز تفسیر

کی اردو ترجمانی اپنی اصل روح کے ساتھ بذریعہ

مولانا سید حامد علیؒ صاحب / مولانا مسیح الزماں فلاحی، ندوی صاحب

"اب ان شاء اللہ بہت جلد صرف 10 یا 11 جلدوں میں جدید آرائش و زیبائش کے ساتھ"

پہلے سے آرڈر بک کرنے پر خصوصی رعایت

- شُستہ، شگفتہ اور عام فہم زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر۔
- علمی، فکری اور سائنٹفک تفسیر۔ دعوتی، تربیتی اور انقلابی تفسیر۔ وجدانی اور ادبی تفسیر۔
- کسی قسم کی الجھن اور پیچیدگی کے بغیر مفاہیم قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے بہترین تفسیر۔
- اسلامی اجتماعیت کے اصول، طریق کار اور عروج و زوال کے اسباب پر سیر حاصل گفتگو۔
- اسلامی جماعت کے کارکنان کے لیے بہترین مشعل راہ۔
- عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت اور پرکشش ٹائٹل۔

اس انقلاب انگیز تفسیر کا مکمل سیٹ اپنی لائبریری، مسجد اور گھر کے لیے ضرور منگائیں۔

اپنا آرڈر بک کرائیں: موبائل 9899693655

ای میل: gpddelhi2018@gmail.com

Nukushe-E-Rah

RNI Number : MAHURD/2018/7738
Postal Reg No:G/Akl Dn/258/2019-21

Nukush-E-Rah 1st Floor, Opp. Basera Apartment, Subhash Chowk, Akola. 444001

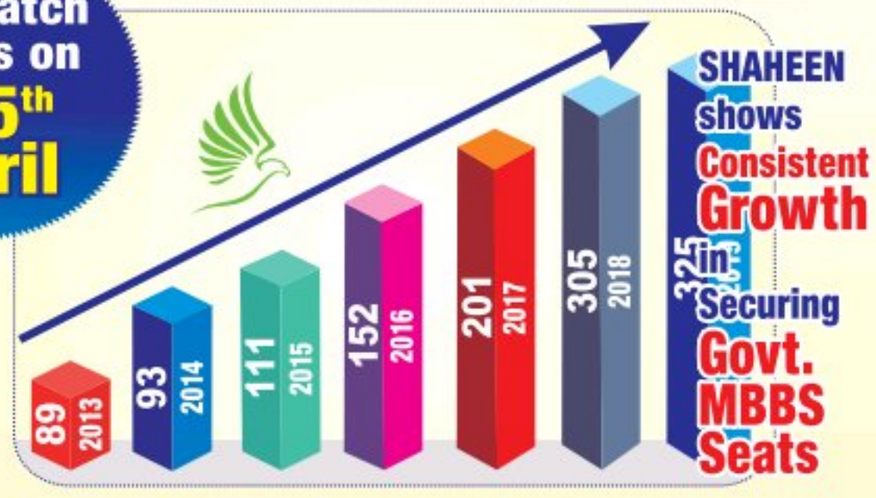

0724-2434333
8266997613
nukusherah@gmail.com